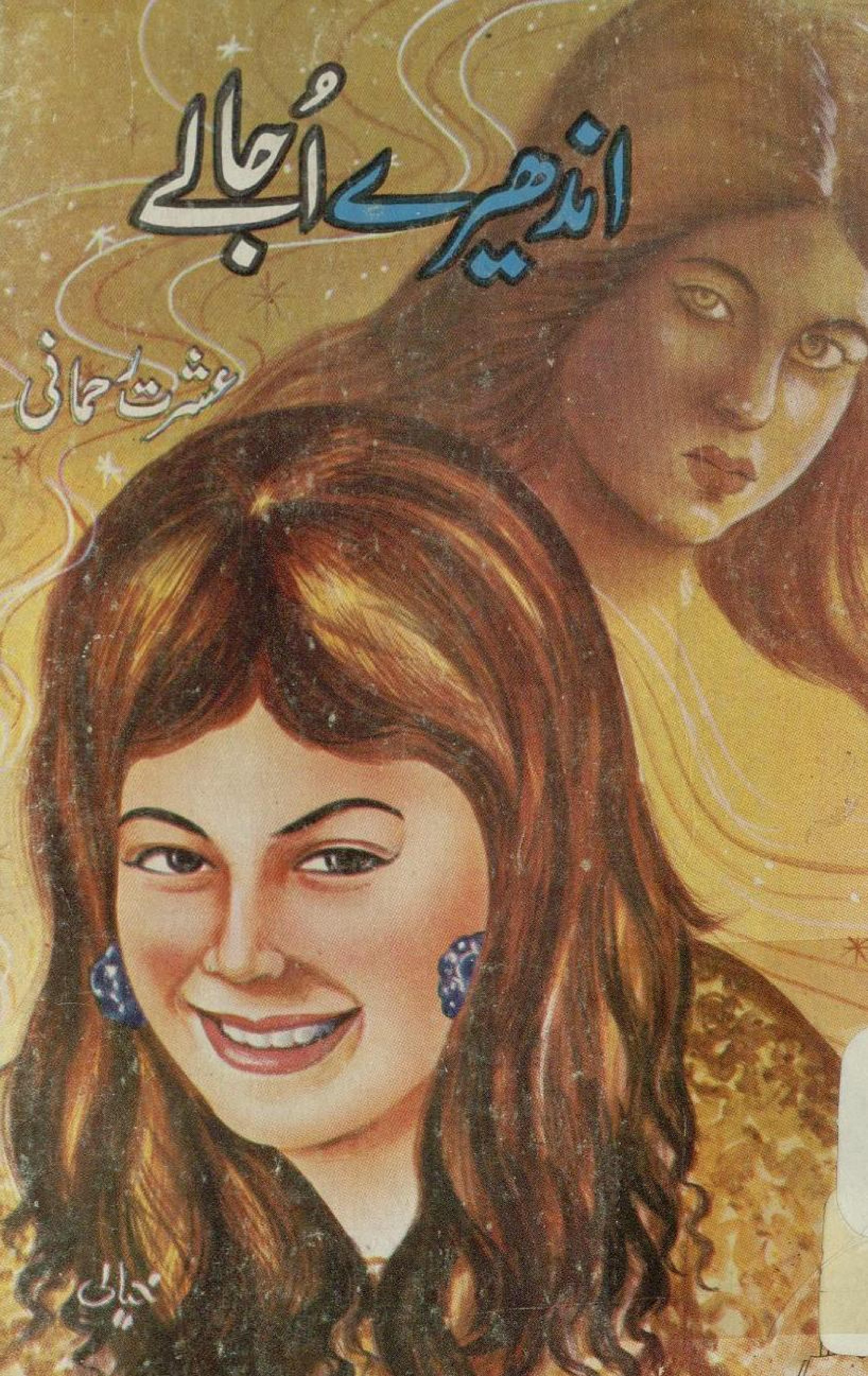


اندھیرے اُجالے
عشرت رحمانی

ایک معاشرتی رومانی ناول

اندھیرے اُجالے

عشرت رحمانی

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور ، حیدر آباد ، کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : ...رز۔ لاہور
قیمت : ...

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ۔ چوک انارکلی
لاہور

ایک ناول ،
ایک حقیقت

عورت ـــــ ایک حسین بھول
ـــــ ایک فرشتہ
ـــــ ایک شیطان

مرد ـــــ آدمی کا بھی میسّر نہیں انساں ہونا
ـــــ عورت کے بناؤ، بگاڑ، اور
تعمیر و تخریب کا ضامن !

"جو ہمت و استقلال اور کردار کی پختگی
سے رات کے اندھیرے جھیل جائیں،
رات اور دن کے اجالے اُنھیں کی
قسمت ہیں !"

(عشرت رحمانی)

رات نصف کے قریب ڈھل چکی تھی۔

لاہور کے عیش محل ہوٹل کی رنگ رلیاں شباب پر تھیں۔ یہ وہ مقام تھا جہاں شہر بھر کے عیش پسند رئیس رات بھر تفریح میں مصروف نظر آتے۔ باپ دادا کی جائداد سے پائی ہوئی یا بے محنت کمائی ہوئی دولت مدہوشی کے عالم میں لٹاتے، دادِ عشرت دیتے اور ہم چشموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنے کی کوشش کرتے۔ ان میں مرد ہی نہیں عورتیں بھی شامل تھیں۔ جوان بوڑھے ہر عمر اور ہر قماش کے مرد اور کم سن، بیباک، لاابالی جوان عورتوں کے علاوہ سن رسیدہ مسیں یا کنواری بیوائیں سب ہی تو تھیں۔

یہ عیش محل صحیح معنوں میں اپنے نام کی لاج رکھے ہوئے اس مخصوص طبقہ کو اپنے دامنِ عافیت میں سمیٹے اپنی شان و شوکت اور رنگ و نور پر ناز کرتا تھا۔

دن کو تو یہاں اکثر شب کی سیاہی کا سماں ہی ہوتا تھا لیکن راتیں دن سے زیادہ روشن اور پر نور ہوا کرتیں۔ بقعۂ نور کہنا اس کی توہین تھی وہ تو سراپا نور نظر آتا تھا۔ برقی قمقموں سے زیادہ تو وہاں حسن و رنگ کی تابانی تھی۔

گوناگوں رنگ،

رنگ ہی رنگ،

اور پھر اپنے اپنے رنگ میں رنگے ہوئے سیّار،

روشنی کو دیکھ کر یہ کہنا دشوار تھا کہ یہ پری جمالوں کا پرتوِ حسن ہے یا برقی قمقموں

کی چمک دمک —

تو یہ عیش محل ہوٹل تھا۔

شہر کا سب سے زیادہ پر رونق، دلکش اور دل فریب مقام۔

ہوٹل کے مختلف کمروں میں مختلف رنگ کی روشنی تھی۔ اس کی سجاوٹ میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا کہ جس خاص شغل کے لیے جو کمرہ مخصوص ہے اس کے در و دیوار، پردے اور کل ساز و سامان اسی رنگ کا ہو۔

کہیں چند بے فکرے جام و مینا سے شغل کرتے نظر آتے۔

کسی کمرے میں خوش گپیاں سنائی دیتیں۔

کہیں راز و نیاز کے جھگڑے چکائے جاتے۔

کہیں تاش، شطرنج وغیرہ کی بازی لگی ہوتی۔

ایک بڑے ہال میں دھیمے سروں میں آرکسٹرا چھڑا ہوتا۔ اور کسی مقررہ دن وہیں ناچ رنگ کی محفل آراستہ ہوتی۔ اس ناچ میں کسی فن کا مظاہرہ نہ ہوتا، بلکہ پسندیدہ جوڑے باہم بغل گیر نظر آتے اور حسینوں کے پائے نازک لغزشیں گھنگھروؤں سے بے نیاز فن کا منہ چڑا کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہوتیں۔

ساز بجتے رہتے۔

روشنیاں ترس ترس کر "اُف" کہہ کر کبھی سو جاتیں۔

اور — ناچنے والے موقع کی سازگاری پر مسرور ہو جاتے۔

روشنی پھر سے جاگ اُٹھتی۔

اور — یہ ہنگامہ اسی طرح جاری رہتا۔

یہ سب کچھ، اور نہ جانے کیا کیا کچھ تھا،

اسی "عیش محل" میں !

تو یہاں ایک رات کو — جو نصف کے قریب ڈھل چکی تھی، کم سن اور حسین جوانیاں شباب و شیب کی داد و دہش میں محو تھیں کہ ایک کمرے میں دو نوجوان داخل ہوئے۔

ایک نے دوسرے کو کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ جس نے اشارہ کیا وہ اس ہوٹل کا قدیم رکن یا گاہک تھا اور دوسرا اس کا دوست، جو اس جگہ پہلی بار آیا تھا یا لایا گیا تھا۔

یہ دونو دوست ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ تیسرا شخص بھی وہاں آ پہنچا اور اس نے ان دونوں میں سے ایک شخص کو جو ہوٹل کا قدیم ممبر معلوم ہوتا تھا مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ہیلو، عزیز! ابھی آئے ہو کیا؟"

اس شخص نے جس کا نام عزیز تھا پلٹ کر آنے والے کو دیکھا اور بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملانے کو اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا:

"اوہو۔ نواب صاحب! کہیے مزاج تو اچھے ہیں؟"

آنے والے شخص نے ہاتھ ملا کر بڑی بے فکری کے انداز میں کہا:

"خوب آرام سے گزرتی ہے۔"

اور ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

ساتھ ہی کچھ اور کہے بغیر ایک نعرہ بلند کیا:

"بوائے!"

اور پھر عزیز کی طرف مخاطب ہوئے۔

عزیز نے اپنے ساتھی کا تعارف کرایا:

"نواب صاحب! یہ ہیں میرے دوست، بلکہ بھائی جمیل احمد۔"

نواب صاحب نے مصافحہ کرتے ہوئے جمیل کی طرف غور سے دیکھا۔

اور بولے :

" مزاج شریف ؟ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

جمیل نے مسکرا کر کہا :

" ایضاً "۔

نواب صاحب نے آنکھیں اور منہ پھیلا دیا۔ گویا حیرت سے اس کے لفظ ایضاً کو گھورنے لگے۔

عزیز نے موقع کی نزاکت کو تاڑ کر ہنستے ہوئے کہا :

" جمیل بہت ہی دل حبیب اور دل پسند انسان ہیں۔ آپ واقعی ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

نواب کی حیرت میں کچھ کمی ہونے لگی۔

جمیل نے پیش قدمی کی اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

" تشریف ...... "

نواب صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

اور شکریہ ادا کرتے ہوئے بولے :

" بھئی واقعی آپ کے دوست جمیل صاحب معلوم تو دل حبیب ہوتے ہیں۔ یعنی شارٹ ہینڈ میں گفتگو کرتے ہیں۔"

سب ہنسنے لگے۔

اتنے میں ہوٹل کا خادم " بڈھا بوائے " نواب صاحب کی آواز پر حاضر ہو گیا، اور سرو قد ہو کر بصد ادب حکم کا انتظار کرنے لگا۔

نواب صاحب نے جمیل کی طرف دیکھ کر کہا :

"وہسکی ؟"

جمیل نے معذرت کی :

"جی نہیں ۔ شکریہ !"

نواب نے پھر کہا :

"شیمپئن ؟"

جمیل نے پھر وہی فقرہ دوہرایا۔

نواب نے تنک کر کہا :

"بھئی تکلّف کیوں ؟ ۔ عزیز صاحب کے دوست میرے دوست ہوئے ۔ کچھ تو بتائیے ۔ کیا پئیں گے ؟"

عزیز نے ہنس کر کہا :

"نواب صاحب ! یہ ابھی یہاں تو گرفتار ہیں ۔ دراصل آج بہ مشکل میں ان کو کھینچ کر لایا ہوں ۔ بقولِ شاعر : راہ پر ان کو لگائے تو ہیں باتوں میں ۔"

نواب نے یہاں خوش مذاقی کا ثبوت دینے کی کوشش کرتے ہوئے دانت چڑھا کر کہا : ع

"اور کھُل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں ۔"

اور زور سے قہقہہ لگا کر عزیز کے ہاتھ پر ہاتھ مارا ۔ پھر جمیل کی طرف آنکھ کا اشارا کرتے ہوئے بولے :

"آج ہی سہی ۔ جب جنّت میں آ ہی گئے تو غنیمت کیا ع دو ایک جام پی لو شرابِ طہور کے ۔"

جمیل اس مذاق سے مکدّر سا ہو گیا اور اس نے اس بے تکلّفی کا جواب بے رُخی سے دیتے ہوئے کہا :

"بندہ نواز! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ۔ مَیں پینے کا عادی نہیں"
مگر نواب اب بے تکلفی پر اتر آئے تھے ۔ کب چُوکنے والے تھے ۔
جھٹ بولے :
"تو پھر ہماری آپ کی کیسے نبھے گی ؟"
جمیل نے برجستہ جواب دیا :
"مجبوری ہے ۔ میں نے آپ کو نباہ کی دعوت بھی تو نہیں دی"
عزیز نے دیکھا کہ معاملہ خواہ مخواہ طول پکڑ گیا اور کچھ بدمزگی پیدا ہو چلی ہے
اس لیے اس نے جلدی سے دخل دیا :
"نواب صاحب! یہ حضرت بڑے متقی واقع ہوئے ہیں ۔ یہ تو یہاں آنے کے
بھی قائل نہ تھے اور ابھی ابھی تو آئے ہیں ۔ آپ شغل کیجیے"
آخر نواب نے جمیل کے معاملہ میں ہار مان لی ۔ اور بوائے کو اپنے اور عزیز
کے لیے دو بڑے پیگ وہسکی کے لانے کا حکم دیا ۔
اس کے بعد عزیز اور نواب ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے ۔ جن میں چند
لڑکیوں کے حوالے تھے ۔ ان کے سلسلہ میں کچھ اور لوگوں کا ذکر تھا ۔ کسی حسینہ کی
عیاری کا گلہ کرتے رہے ۔ کسی کے حسنِ سلوک اور حسنِ ادا کو سراہتے رہے ۔ کسی کی
کم آمیزی سے بیزار تھے تو کسی کے گلے پڑ جانے سے تنگ آئے ہوئے تھے ۔
آخر میں بولے :
"یار عزیز! مَیں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ حسین ہوتے ہی بے وفا ہیں ۔
اور عورت ذات کا تو نام ہی بے وفائی ہے ۔ مگر دوست نواب دلبر نواز کا وار
بھی کوئی ایسا ویسا نہیں ۔ مانو گے کہ کبھی اوچھا وار نہیں کیا ۔ جہاں نظر ڈالی قابو ہی
کر کے چھوڑا ، اس سے پہلے کہ وہ نظر بدلے ہم کامیابی سے شاندار پسپائی پر

آمادہ ہو گئے۔ اپنا تو داؤ ہی اور ہے۔"

عزیز نے داد دی :

" ہاں صاحب ! یہ تو مانتے ہیں۔"

جمیل خاموش بیٹھا ان کی باتیں سنتا رہا۔

مگر عزیز بڑی دلچسپی سے کرید کرید کر ان کے کارنامے سن رہا تھا اور تمام تمام حالات دریافت کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا یہ دونوں کچھ زیادہ عرصے کے بعد ملے ہیں۔

عزیز نے کہا :

" ہاں نواب وہ تمھاری مرلی کہاں ہے ؟"

نواب نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ایک آہ بھری اور بولا :

" یار — کیا یاد دلا دیا ع

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے۔"

عزیز نے کہا :

" آخر گئی کہاں ؟ یہیں ہے یا باہر کہیں چلی گئی ؟"

نواب نے کہا :

" بھئی اللہ جانے — سنتے ہیں کسی انگریزی فرم کے مینجر کے ساتھ انگلینڈ بھاگ گئی۔"

عزیز نے پوچھا :

" اور وہ آپ کے چچا جان ؟"

اس پر نواب کچھ خفیف ہو کر خاموش رہا۔

پھر بولا :

"تم سے بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی — تم سناؤ تمہارے کیا حال چال ہیں؟"

عزیز نے جواب دیا :

"بھئی میں تو کافی عرصہ یورپ اور امریکہ کی خاک چھان کر آیا ہوں۔"

نواب نے کہا :

"اخّا ! تو یہ کہو کہ اس خاک کے حسین ذرّوں کو بھی خوب خوب چُنا بلکہ پُنا ہوگا۔"

اور ایک قہقہہ لگایا۔

عزیز نے ہنس کر کہا :

"بھئی جب خاک پھانکتے ہیں تو ذرّوں کو کون چھوڑتا ہے۔"

جب نواب کوئی ایسا فقرہ کہتے جس کے بارے میں ان کو گمان ہوتا کہ اس کی چُستی اور برجستگی مخاطب کو لاجواب کر دے گی تو وہ داد لینے کے لیے قہقہہ ضرور بلند کرتے۔

جمیل ان کے اس انداز سے دل چسپی لینے کے بدلے "سخت بے زار نظر آرہا تھا درمیان میں جب عزیز یا نواب، اس کو مخاطب کر کے کوئی بات کہتے تو وہ خفیف سی مسکراہٹ سے متوجہ ہو جاتا ورنہ خاموش بیٹھا سنتا رہتا۔

عزیز اور نواب گفت گو کے درمیان بوائے کو برابر تھوڑی دیر بعد شراب لانے کا حکم دیتے رہے ـــ اور پیتے رہے۔

جمیل کو نواب کی گفت گو اور پینے سب ہی چیزوں سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی اور وہ عزیز کے ساتھ یہاں آنے پر سخت متاسف تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ جگہ اس قماش کے لوگوں کے مجمع کے لیے مخصوص ہے تو میں یہاں ہرگز نہ آتا مگر اب اٹھ کر وہاں سے چلے جانا بھی مناسب نہ تھا۔ طوعاً و کرہاً بیٹھا ان کی باتیں سنتا رہا اور کڑھتا رہا۔

نواب جینڈ پیگ پینے کے بعد نشے میں جھومنے لگا۔ مگر عزیز پر کوئی خاص اثر معلوم نہ ہوتا تھا۔

عزیز نے باتوں باتوں میں گفتگو کا رخ پھر نواب کے خاندانی حالات کی طرف پھیرا۔

اس نے پوچھا :

"اچھا نواب صاحب! والدہ صاحبہ سے تعلقات تو اب ٹھیک ہیں نا ؟"

نواب نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے منہ بگاڑا۔

پتہ نہیں یہ شراب کی تلخی تھی یا اس فقرہ کی جس نے ان کے منہ کا مزا ہی خراب کر دیا۔

عزیز کچھ اور کہنے والا تھا

کہ نواب نے جلدی سے کہا :

"یار — یہ عیش کے وقت تم کیا ذکر لے بیٹھے۔ رنگ میں بھنگ اسی کو تو کہتے ہیں۔"

عزیز نے کسی قدر حیران ہو کر کہا :

"کیوں — ؟ میں نے آپ کی والدہ کا پوچھا ہے۔"

نواب نے منہ بنا کر کہا :

"ہاں — ہوگی — چھوڑو —"

عزیز کو اس سے حیرت بھی ہوئی اور اشتیاق بھی بڑھا۔

اس نے پھر پوچھا :

"آخر ہوا کیا — کچھ بتائیے — خیریت تو ہے ؟"

نواب نے ایک بڑا سا گھونٹ لیتے ہوئے جلدی سے کہا :

"ارے وہ بھاگ گئی یار۔ ہٹاؤ"۔

اور لفظ "ہٹاؤ" کے ساتھ ایک ہاتھ اس طرح گھمایا کہ عزیز کا پیگ میز پہ گر کر ٹوٹ گیا۔

نواب نے نشہ سے جھوم کر کہا :

"گڈ لک (خوش قسمتی)"۔

اور قہقہہ کے ساتھ بولا :

"یار عزیز! امّی کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ ان کا گرنا مطلب بھاگ جانا میری گڈ لک بن گیا"۔

جمیل کو نواب کی ان باتوں پہ حیرت سے زیادہ نفرت ہونے لگی۔

عزیز نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا :

"آخر ہوا کیا بتاؤ تو"؟

نواب نے کہا :

"بھئی وہی ہمارے چچاجان والا قصہ تھا۔ جب وہ مولی کی طرف سے ناکام ہوئے۔ وہاں تو تم جانتے ہی ہو ہم نے ایسا ہاتھ مارا کہ بڑے میاں منہ میں پانی بھرے بھاگتے نظر آئے اور ہم دادِ عیش دیتے رہے"۔

عزیز نے سر ہلا کر تائید میں کہا :

"ہاں ہاں۔ وہ تو معلوم ہے، آپ نے بڑے ٹھاٹھ سے میدان مارا تھا مگر پھر کیا ہوا"؟

نواب نے رومال ہونٹوں پہ پھیرتے ہوئے کہا :

"بس یار ہوا کیا۔ بڑے میاں نے ہم سے دوسری طرح انتقام لیا یعنی مولی کی جگہ امّی سے پینگیں بڑھائیں۔ میں زیادہ وقت مولی کے پاس گزارتا۔

ان کو میدان خالی ملا اور انھوں نے بہلا پھسلا کر امّی کو نکاح کے لیے رضامند کر لیا۔ شادی ہوگئی اور دونو مل کر مجھ پر سختی کرنے لگے۔ میں نے بڑے میاں اور بڑی بی سے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ کو عشق کرنے کا حق اس عمر میں ہے تو ہمیں کیوں نہیں۔ آخر یہ مثل کیوں ہو کہ "جوانی ترسے اور بڑھاپا برسے"۔ لیکن بڑے میاں لگے رعب دکھانے۔ ادھر امّی نے پہلے تو مجھ سے پیار جتایا پھر وہ بھی بڑے میاں کے ورغلانے سے سختی پر آمادہ ہوگئیں۔ اور میرا ہاتھ تنگ ہونے لگا۔ جائداد تھی میرے باپ کی، کوئی امّی کے باپ کی تھوڑی تھی۔ ہم نے جھٹ دعویٰ دائر کر دیا اور وہ مہر کا مقدمہ بھی ہار گئیں اور ساری جائداد پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ دونو دیکھتے رہ گئے"۔

جمیل کا نواب کی باتیں سن کر جی چاہتا تھا ابھی اٹھ کر بھاگ جائے۔ اس کی نفرت اور بھی بڑھ گئی۔ وہ حیران تھا کہ یہ کس قسم کا آدمی ہے اپنی ماں اور چچا کے بارے میں اس طرح باتیں کر رہا ہے جیسے کسی غیر کا ذکر ہو۔

عزیز کو اس واقعہ پر حیرت تو تھی مگر وہ نواب کی عادات و خصائل سے بخوبی واقف تھا اس لیے اس کو یہ باتیں سن کر زیادہ تعجب نہیں ہوا۔

پھر نواب نے بڑے فخر سے کہا :

"اور عزیز یار اپنے تو عیش ہوگئے — مانتے ہو نا !"

عزیز نے تائید کی۔

وہ بولا :

"بے شک — نواب آپ تمام جائداد کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں۔"

نواب نے جھوم کر کہا :

"ہاں ...."

ہاں ۔ کے الف پر بڑا لمبا مد لگا کر اس کو کھینچ کر اقرار کیا ۔

پھر کہنے لگا :

"اور میاں اس جائداد اور مولی کے ذریعہ ہم نے وہ کچھ کر دکھایا کہ لاکھوں بنائے کیا سمجھے !"

عزیز نے پوچھا :

"وہ کیسے ؟"

نواب نے دائیں آنکھ دبا کر نیچی نظر سے عزیز کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کچھ اشارا کیا ۔

اور بولا :

"چھوڑو یار ۔ بتائیں گے کبھی ۔ یہ لمبی باتیں ہیں ۔ کھاؤ پیو عیش کرو ۔"

اور جمیل کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا :

"ایک ہمارے جمیل بھائی ہیں کہ بس ۔ نہ کھانا نہ پینا ۔ بھلا آپ اور کیا شغل کرتے ہیں ؟"

جمیل اس سوال کے لیے آمادہ نہ تھا اور نواب سے اس کی نفرت بڑھتی ہی جا رہی تھی ۔ اس سے تخاطب بھی اسے گوارا نہ تھا ۔ نواب کی گفت گو نے اس کے کردار کے بارے میں جو کچھ اس پر واضح کیا تھا اس لحاظ سے وہ عزیز کے کردار سے بھی مشتبہ ہوتا جا رہا تھا کہ جس کا ایسا کمینہ خصلت دوست ہو، جو اپنی ماں کی نسبت غیروں کے سامنے اس لاپرواہی سے ذلیل باتیں کرے وہ بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ جمیل نے نواب کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ اور اس کی طرف دیکھ کر خاموش رہا ۔

نواب نے دوبارہ کہا :

"بھائی میرے کیا دیکھ رہے ہو۔ میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آخر آپ کی زندگی گزرتی کیسے ہے ؟"

اور پھر عزیز کی طرف دیکھ کر کہنے لگا :

"تم کہتے ہو جمیل صاحب بڑے دل چسپ آدمی ہیں۔ بھلا ان کی زندگی میں دل چسپی کا کون سا پہلو ہے ؟ اور پھر تم سے ان کی کیسے نبھتی ہے ؟"

عزیز سمجھ گیا تھا کہ نواب اپنی تمام خصلتوں کے باوجود حد درجہ چالاک آدمی ہے۔ وہ بات کا پہلو بدل رہا ہے تاکہ میں جمیل کے سامنے اس کے حالات مزید دریافت نہ کروں اس لیے وہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا لیکن جمیل کی طرف داری بھی اس کے لیے ضروری تھی۔

اس لیے اس نے کہا :

"نواب صاحب ! ہمارے جمیل صاحب بہت اچھے شاعر اور کامیاب ادیب ہیں۔ ان کی زندگی ہم سے زیادہ مفید اور کارآمد دل چسپیوں میں گزرتی ہے۔ یہاں تو میں ان کو زبردستی اس وقت کھینچ لایا ہوں۔ آپ کو پہلے بتا ہی چکا ہوں"۔

نواب نے کہا :

"اچھا بھئی خوش رہیں۔ جو ان کی مرضی"۔

پھر کچھ سوچ کر بولا :

"کیا کہا تھا تم نے۔ یہ شاعر بھی ہیں ؟ تو پھر کچھ شاعری ہو جائے۔ سنائیے دو چار شعر !"

جمیل نے فوراً کہا :

"جی اس وقت تو مجھے کوئی شعر یاد نہیں۔ میں تو یونہی وقت گزارنے کو

کبھی کبھی تُک بندی کر لیتا ہوں۔ عزیز صاحب نے خواہ مخواہ آپ کو مغالطہ میں ڈال دیا کہ میں کوئی باقاعدہ شاعر ہوں۔"

نواب نے قہقہہ لگا کر کہا :

"چلیے آپ بے قاعدہ شاعر ہی سہی — ہم بھی کچھ باقاعدہ مشاعرہ نہیں کر رہے ہیں۔ یونہی کچھ سنا دیجیے۔"

جمیل نے پھر انکار کیا :

"معاف کیجیے — مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔"

مگر نواب کی حالت وہی تھی جو عموماً ایک شرابی کی پیتے وقت ہوا کرتی ہے۔ کہ جس بات کی رٹ لگ گئی باز نہیں آتے۔

اس نے پھر اصرار کیا :

"بھئی واللہ کچھ تو سنائیے !"

جمیل پریشان ہونے لگا۔

عزیز نے اس کا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی کہ واقعی ان کو اپنا کلام بہت کم یاد ہوتا ہے اور سنانا تو جانتے ہی نہیں۔ بہت بخیل ہیں اس معاملے میں۔"

مگر نواب کو جیسے ضد ہی ہو گئی تھی۔

کہنے لگا :

"بہت کم ہی سنا دیں۔"

یہ اصرار اور جمیل کا انکار جاری تھا کہ باہر سے ریشمی سرسراہٹ کے ساتھ ایک معطّر نقرئی آواز آئی :

"نواب صاحب جی — ہم اندر آ سکتے ہیں؟"

اور ایک خوش پوش خوش ادا حسینہ سامنے آ کر مسکرانے لگی۔

نواب کی باچھیں کھل گئیں۔

کھڑے ہو کر تعظیم بجا لایا اور بولا :

"اوہ مس جوڈا ! بھئی نیکی اور پوچھ پوچھ۔ تشریف رکھیے۔"

یہ حسینہ جس کا نام جوڈا تھا لچکتی اتراتی سرسراہٹوں والی ریشمی ساڑھی کو سنبھالتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ کر لجانے شرمانے کی کوشش کرنے لگی۔

نواب پہلے سے زیادہ جھومنے لگا جیسے اس کے نشہ کو حسینہ کی آمد دوآتشہ ثابت ہوئی ہو۔

جمیل جوڈا کی آمد سے اس لیے خوش تھا کہ نواب کے اصرار سے اس کی جان چھوٹ گئی۔

مس جوڈا نے عزیز کی طرف دیکھ کر محبوبانہ اندازِ دلبری سے کہا :

"آخا۔ مسٹر عزیز ! کہیے کیسے مزاج ہیں ؟"

عزیز نے مسکرا کر جواب دیا :

"آپ کی بلا سے۔"

جوڈا جیسے شرما گئی۔

مگر پھر سنبھل کر ڈھٹائی سے بولی :

"کیوں۔ کیوں خیر تو ہے ؟"

عزیز بولا :

"ارے صاحب ! آپ بڑے لوگوں کے مزاج کی خبر رکھتی ہیں۔ ہمیں تو آپ نے دیکھا بھی اتنی دیر کے بعد۔ ہم کس شمار میں ہیں۔"

نواب نے جوڈا کا ساتھ دینے کو دخل دیا :

"عزیز یار۔ جوڈا کے بارے میں تمھارا خیال غلط ہے۔"

پھر جوڈا نے جلدی سے کہا :

"اور پھر عزیز صاحب بھی کون سے چھوٹے آدمی ہیں"۔

نواب بولا :

"ہاں یہ بھی درست ہے - خیر چھوڑو یہ گلے شکوے - کہو کیا پیو گی ؟"

اس پر جمیل حیران ہو کر جوڈا اور عزیز کی طرف یکے بعد دیگرے دیکھنے لگا۔ اس نے سوچا کہ یہ ہوٹل تو ایک ایسا حمام معلوم ہوتا ہے جس میں آنے والے سب ہی ننگے ہیں۔ عورت مرد سب کا ایک ہی انداز ایک ہی چلن ہے -

جوڈا نے محبوبانہ انداز سے نواب کو دیکھا۔

اور گردن جھکا کر بولی :

"جی نہیں شکریہ !"

نواب نے کہا :

"کیا مطلب — یعنی یہ تکلّف کیوں ؟"

اس نے مسکرا کر اپنی ساڑی کے پلو کا ایک سرا انگلی پر لپیٹتے ہوئے جواب دیا :

"نہیں - تکلّف نہیں — اس وقت کچھ . . . ."

آگے کچھ ہکلا کر خاموش ہو گئی -

نواب نے کہا :

"یہ نہیں ہو سکتا - مدت کے بعد تو آپ سے ملنا ہوا ہے اور اس محفل میں یہ انکار —"

جوڈا نے کن انکھیوں سے عزیز کی طرف دیکھا - پھر نواب پر ایک خاص نگاہِ غلط انداز ڈالتے ہوئے نظریں نیچی کر لیں -

نواب نے نعرہ بلند کیا :

"بوائے !"

جمیل سے اب ضبط نہ ہو سکا۔ وہ ایسی محفلوں کا عادی نہ تھا۔ پہلے ہی جز بز ہو کر پہلو بدل رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ بوائے حاضر ہو۔ اس نے عزیز کی طرف دیکھ کر کہا :

"مجھے نواب اجازت دیجیے !"

اس پر نواب کو جیسے کوئی بھولی بات یاد آ گئی۔

وہ فوراً بول اٹھا :

"یہ نہیں ہو سکتا جمیل صاحب — محفل سونی ہو جائے گی۔ اور اب تو رونق شروع ہوئی ہے۔"

جمیل نے کہا :

"جی ہاں میں اسی لیے اجازت چاہتا ہوں کہ جانِ محفل تو کوئی اور ہی ہے"۔

نواب نے ایک فرمائشی قہقہہ بلند کیا۔

اور بولا :

"واللہ مانتے ہیں۔ آپ واقعی شاعر ہیں۔ کیا فقرہ کہا ہے بلکہ شعر"۔

جوڈا شرم سے جیسے دوہری ہو گئی۔

عزیز نے کہا :

"ہاں معاف کیجیے — میں آپ دونوں کا تعارف کرانا تو بھول ہی گیا — مس جوڈا یہ میرے بڑے پیارے دوست مسٹر جمیل احمد ہیں۔ ملک کے مشہور شاعر اور ادیب — اور جمیل صاحب یہ ہیں مس جوڈا — ایک ممتاز کالج کی پروفیسر اور ہماری یعنی میری اور نواب صاحب کی پرانی کلاس فیلو —"

جوڈا نے جمیل کو دیکھا۔

اور آہستہ سے کہا :

"مزاج شریف ؟"

جمیل نے بھی اس کا جواب دیا مگر جوڈا کے مزاج شریف کو اس نے اپنے لیے ایک طنزیہ جملہ سمجھا اور اسی لیے جواب بھی نہایت خشک لہجہ میں دیا۔

اس کے بعد عزیز نے جمیل سے کہا :

"بھئی چلیے ہیں تھوڑی دیر بیٹھیے۔"

جمیل مجبوراً بیٹھ گیا۔

اس نے اس دوران میں دیکھا کہ جوڈا کی نظریں کئی بار اٹھیں اور اس کی جانب سے گزرتی ہوئی سامنے کی میز پر جھک گئیں۔

اس عرصہ میں بوائے حاضر ہوا۔ نواب کا حکم لے کر غائب بھی ہوا اور پھر تعمیل کے لیے حاضر ہو گیا۔

نواب نے جوڈا کی طرف ایک چھوٹا پیگ بڑھاتے ہوئے کہا :

"مس جوڈا عزت بخشیے !"

جوڈا نے نگاہیں نیچی کر لیں اور دانتوں میں ساڑی کا پلو دابے جھکی ہوئی گردن انکار میں ہلا دی۔

اب ایک طرف نواب کا بے تکان اصرار تھا جس میں عزیز بھی کئی بار شامل ہوا اور جواب میں جوڈا کا انکار جو کبھی سر کے اشارے سے اور کبھی گردن ہلا کر برابر جاری رہا۔

ایک بار اس نے جمیل کی طرف اشارہ کر کے بھی کہا :

"آپ کو دیجیے !"

اس پر نواب نے ہنس کر جواب دیا :

" وہ تو ابھی آئے ہیں شروع نہیں ہوئے۔"

غرضیکہ عجب کشمکش رہی۔

آخر نواب کی ایک تجویز پر فیصلہ ہوا کہ جوڈا ایک گھونٹ لے کر چھوڑ دے۔ اور جوڈا نے یہ منظور کر کے شرماتے شرماتے پیگ لبِ لعلیں سے لگا لیا۔

ادھر نواب نے "ہرّے" کہہ کر زور سے تالیاں بجائیں۔

جوڈا نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ جلدی سے پیگ میز پر رکھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

نواب نے گھبرا کر کہا :

" یہ کیا — چلیں کہاں ؟"

جوڈا بولی :

" بس اجازت — مجھے جانا ہے۔"

نواب نے جلدی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا :

" ناممکن — ابھی نہیں جا سکتیں — آپ تشریف رکھیے۔"

جوڈا نے اٹھلاتے ہوئے کہا :

" جی نہیں ! اس وقت تو معاف ہی کیجیے — ایک سہیلی کو دیکھنے آگئی تھی آپ کی آواز سن کر سلام کے لیے یہاں آگئی — ذرا جلدی جانا ہے۔"

عزیز بولا :

" اور وہ سہیلی ؟"

جوڈا نے مسکرا کر کہا :

" ملیں نہیں۔ شاید ادھر نہیں آئیں۔"

عزیز نے پھر کہا :

" تو اب ان کی تلاش میں کہیں اور — ؟"

جوڈا نے ہنس کر جلدی سے کہا :

" جی نہیں — بس اب تو مکان جاؤں گی —"

عزیز اور جمیل بھی کھڑے تھے۔

نواب نے کہا :

" آپ نے تو اس وقت سارا لطف کِرکِرا کر دیا - گویا رنگ میں بھنگ ۔"

جوڈا بولی :

" معاف کیجیے — پھر کسی دن سہی ۔"

اور نواب نے گویا یہ معذرت اور وعدہ قبول کر لیا ۔

اور بولا :

" خیر مجبوری — جو آپ کی مرضی — تو پھر چلیے — میں آپ گھر تک چھوڑ آؤں ۔"

جوڈا نے جواب دیا :

" شکریہ — میں اپنی کار میں آئی ہوں ۔"

عزیز نے مسکرا کر کہا :

" تو پھر آپ نواب صاحب کو ان کے مکان پر چھوڑ آیئے ۔"

نواب صاحب نے حسبِ معمول قہقہہ بلند کیا ۔

اس پر جمیل بھی مسکرائے بغیر نہ رہا ۔

اور مس جوڈا تو ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی ۔

جمیل اس وقت گلوخلاصی کے خیال سے کچھ سکون محسوس کر رہا تھا ۔

آخر یہ چاروں باہر چلے گئے۔

عزیز اور جمیل۔ جوڈا اور نواب سے رخصت ہو کر اکٹھے اپنی کار میں روانہ ہو گئے اور نواب، اور جوڈا کو باہر کھڑے باتیں کرتے چھوڑ گئے۔ اس کے بعد ان کو نہیں معلوم کہ نواب نے جوڈا کو گھر تک پہنچایا، یا جوڈا نے نواب کو۔

جمیل راستہ بھر خاموش رہا۔

وہ خود ہی کار چلا رہا تھا۔

عزیز نے تھوڑی دیر بعد کچھ بات بھی کی مگر جمیل نے مختصر جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی۔

عزیز بھی چپ ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ جمیل کو کافی کوفت ہوئی ہے۔ پہلے دن اس کے ساتھ ہوٹل میں آیا اور بددل ہو گیا۔ یہ مناسب نہ ہوا۔ اس نے دل میں سوچا۔

جمیل نے عزیز کو اس کی قیام گاہ پر اتارا۔ وہ سمسن ہوٹل میں مقیم تھا اور اس کے بعد خود اپنے مکان کو روانہ ہو گیا۔

عزیز نے چلتے ہوئے "خدا حافظ" کہا اور دوسرے روز ملاقات کا وعدہ کیا۔ کہ کل دوپہر کا کھانا آپ ہی کے ساتھ کھاؤں گا۔

جمیل نے جواب میں بڑے تپاک سے اس کو خوش آمدید کہا کہ :

"میں انتظار کروں گا۔"

⁂

دوسرے دن وعدہ کے مطابق عزیز جمیل کے پاس گیا۔

اور یہ دیکھ کر کہ جمیل کچھ خاموش ہے سمجھ گیا کہ اس پر گزشتہ رات کی محفل کا اثر ہے یقیناً اس نے اس صحبت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نواب کے ملنے والے بھی سب اسی کردار کے ہوں گے اور اتفاق سے رات پہلی بار ہی کچھ زیادتی بھی ہوتی رہی۔ نواب نے خود بھی بہت کھل کر باتیں کیں خصوصاً اپنی والدہ اور چچا کے بارے میں اس کی گفت گو کچھ مناسب نہ تھی۔

یہ سب باتیں سوچ کر عزیز نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کو سب سے پہلے نواب کے خاندان اور اس کے ذاتی عادات و اطوار کے بارے میں تفصیل سے سب کچھ بتا دینا چاہا۔

جمیل نے ٹالتے ہوئے کہا :

"عزیز صاحب ہمیں کسی کے خاندان اور ذاتی خصلتوں سے کیا تعلق۔ ہر شخص اپنے فعل کا خود مختار ہے۔"

عزیز نے کہا :

"میں بھی اس معاملہ میں تمہارا ہم خیال ہوں لیکن اس وقت تک میں نے تم کو اپنے بارے میں تفصیل سے یہ نہیں بتایا ہے کہ میں خود کیا ہوں اور نہ کبھی تم نے مجھ سے اس سلسلہ میں کچھ پوچھا ہے۔"

جمیل نے کہا :

" میں نے اس کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ میں آپ کو اپنے ایک محسن کا عزیز دوست ہی نہیں بلکہ اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ آپ کے مجھ پر کچھ کم احسانات نہیں ہیں۔"

عزیز نے دل میں خوش ہو کر کسرِ نفسی کے طور پر کہا :

" یہ آپ کی مہربانی ہے۔ آپ کی لیاقت اور اعلیٰ صفات کا میں دل سے معترف ہوں اور مداح بھی — میں نے آپ پر احسان کرنا تو درکنار، آپ کی ابھی تک کوئی خدمت ہی نہیں کی ہے جو آپ میری نسبت یہ الفاظ ظاہر کریں۔"

جمیل بولا :

" عزیز صاحب ! یہ الفاظ نہیں میں اپنے حقیقی خیالات ظاہر کر رہا ہوں۔ اس میں کوئی تصنع نہیں۔ میری زندگی کی خوش حالی اور بہبودی میں آپ کا بڑا ہاتھ ہے۔"

عزیز نے کہا :

" یہ پھر آپ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں۔ آپ کو جو کچھ ملا ہے آپ کی اپنی خوش بختی کا نتیجہ ہے بھلا اس میں میں نے کیا تیر مارا ہے۔"

جمیل بولا :

" بھائی صاحب میں احسان فراموش نہیں۔ آپ نے کیا نہیں کیا ؟"

عزیز نے اس گفت گو کو ختم کرنے کے لیے پھر کہا :

" اچھا اب ان باتوں کو رہنے دیجیے اور میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ سن لیجیے۔"

جمیل نے سنجیدگی سے کہا :

" میں ہمہ تن گوش ہوں مگر میں کسی کے ذاتی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا ع موسیٰ بہ دینِ خود، عیسیٰ بہ دینِ خود۔"

عزیز نے فوراً کہا :

" آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے لیکن میں خود اپنے ذاتی معاملہ کو صاف کرنا ضروری سمجھتا ہوں "۔

جمیل نے کسی قدر حیران ہو کر پوچھا :

" مگر اس معاملہ سے آپ کی ذات کا کیا تعلق ؟ "

جمیل کے دل میں فوراً خیال آیا کہ عزیز اور نواب کے درمیان کوئی ایسا قریبی تعلق ہے جس کے بارے میں یہ اس وقت صفائی کرنا چاہتا ہے۔

اس پر عزیز نے کہا :

" بات یہ ہے کہ میری زندگی کا اصل مقصد اس دنیا کا گہرا مطالعہ کرنا ہے اور اس کے لیے میرا ہر جگہ جانا اور ہر حیثیت اور ہر قماش کے لوگوں سے میل جول رکھنا ضروری ہے۔ نواب کی باتوں سے آپ نے یقیناً اندازہ کر لیا ہو گا کہ وہ کن عادات و اطوار کا شخص ہے اور اس کے ساتھ میرے اتنے گہرے ربط و ضبط سے یہ بھی خیال کیا ہو گا کہ میں بھی اسی قسم کے کردار کا مالک ہوں لیکن شکر ہے کہ میں دریا تو کیا سمندر میں رہ کر بھی دامن تر نہیں ہونے دیتا "۔

جمیل نے کہا :

" ایک بلند کردار انسان کے اوصاف یہی ہیں عزیز صاحب ! یہ بات قابلِ قدر ہے "۔

عزیز نے کہا :

" بھئی اب میری تعریف تو رہنے دو۔ میں نے خود ہی اپنی تعریف کر دی ہے میں نے ملکوں ملکوں کی سیر کی۔ سارے جہان کو میں ایک دل حبیب کتاب سمجھ کر اپنی زندگی کا محبوب مشغلہ اس کتاب کے مطالعہ کے لیے وقف کر چکا ہوں۔ خدا نے

مجھ کو وافر دولت عطا کی ہے۔ میں اس کو ایک گوشہ میں بیٹھ کر ختم کرنا نہیں چاہتا ہوں بلکہ کسی مقصد کے لیے لٹانا چاہتا ہوں اگر انسان کو لاکھوں کے خرچ سے اس دنیا کا صحیح تجربہ حاصل ہو سکے تو اس نے بہت کچھ پایا اور کھویا کچھ بھی نہیں۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ اسی کی خاطر میں ہر شخص سے بے تکلفی سے ملنے کی سعی کرتا ہوں اور جگہ جگہ مارا مارا پھرتا ہوں۔"

جمیل نے مسکرا کر کہا:

"تو معلوم ہوا کہ آپ نے جو حسنِ سلوک مجھ پر کیا ہے وہ بھی اسی مقصد کے ماتحت ہے اور میرے آپ کے درمیان تعلقات بھی اسی انداز کے ہیں۔"

عزیز جمیل کی اس بات سے کچھ گھبرا سا گیا۔ اور جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولا:

"نہیں نہیں جمیل یہ بات نہیں۔ تم کو میرے خلوص پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں تم سے تو سچے دل سے ملتا ہوں اور پھر میرے تمھارے درمیان جو تعلق ہے وہ بالکل بے غرض ہے اور ایک ایسے واسطہ سے ہے جس کا میں احترام بھی کرتا ہوں اور اس کے ساتھ سچی دوستی کا دم بھی بھرتا ہوں۔"

جمیل نے ہنس کر کہا:

"آپ اس بات کا خیال نہ کریں۔ میں نے تو یہ فقرہ محض دل لگی کے طور پر کہہ دیا۔ مجھے آپ کے خلوص پر پورا بھروسہ ہے۔"

عزیز نے کہا:

"ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے تمھاری شخصیت کا اس مختصر مدت میں گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمھارے اندر بہت سی صلاحیتیں پائی ہیں۔"

جمیل نے کھڑے ہو کر بڑے ادب سے سلام کیا اور کہا :

" اس ذرّہ نوازی کا شکریہ — یہ بندہ مجرا بجا لاتا ہے۔"

اور ہنسنے لگا۔

عزیز بھی ہنس دیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ جمیل کے دل میں جو شکوک رات کی صحبت میں عزیز کی جانب سے پیدا ہوئے تھے اور اس کے کردار کو مشتبہ سمجھنے لگا تھا اب اس کی صفائی ہو گئی تھی۔ اس لیے کدورت دور ہو جانے کے بعد اس کے دل میں اس بات کی خوشی پیدا ہو گئی تھی کہ عزیز کو میں غلط فہمی کی بنا پر نواب کی طرح بدکردار سمجھنے لگا تھا، وہ قابلِ اعتماد اور مضبوط کردار کا انسان ہے۔

اُس کے بعد دونو رات کی محفل پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

جمیل نے نواب کے عادات و افعال کو حد درجہ نفرت کے قابل بتایا۔

اس پر عزیز نے کہا :

" بھئی میں آپ کو یہی تو بتا رہا تھا کہ وہ کیا ہے۔ رات میں نے اس سے مولی کا حال دریافت کیا تھا اور اس کے نام سے اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ اس کا واقعہ بھی بہت دل چسپ ہے۔"

جمیل نے پوچھا :

" تو پھر یہ عجیب ذات شریف کون ہیں ؟ "

اب کے جمیل نے نواب کے حالات سے قدرے دل چسپی کا اظہار کیا۔ اور عزیز نے سنانا شروع کیا :

" نواز گنج ایک مختصر سی ریاست ہے۔ ریاست کیا ایک معمولی تعلقہ سمجھیے۔ انگریزوں کے زمانہ میں اس علاقہ

کے رئیسوں کی بڑی عزت تھی۔ دلدار نواز جنگ کے مورثِ اعلیٰ کو یہ جاگیر غالباً اس وطن دشمنی کے صلہ میں انگریزی سرکار نے عطا کی تھی جس کو اس زمانہ میں دولتِ انگلشیہ سے وفاداری کہا جاتا تھا۔ نواب دلدار نواز جنگ سے زیادہ ان کی بیگم صاحبہ محترمہ کو حکّام میں رسوخ حاصل تھا۔
نواب صاحب کو تو اپنے رئیسی مشاغل سے سروکار تھا وہ شب و روز اپنے مخصوص و محبوب مشغلوں میں مصروف رہتے۔ کارندے جائداد اور جاگیر کے انتظامات کرتے بیگم صاحبہ لطیفہ خانم کے نام سے مشہور تھیں اور اسم بامسمیٰ سمجھی جاتی تھیں۔ بس نواب صاحب اور لطیفہ خانم کی زندگیاں بے راہ روی اور بد کرداریوں کی بدولت ایک لطیفہ بن کر رہ گئیں۔ یہ دونوں شخصیتیں جگہ جگہ اپنے افسوس ناک افعال و حرکات کی وجہ سے بدنام ہو گئیں۔
نواب صاحب اور خانم دونوں نے مل کر اپنی تفریحات اور فضول خرچیوں پر ساری جاگیر لٹا دی۔ نواب صاحب ایک عیسائی حسینہ مولی کے جال میں پھنس کر کنگال ہو گئے اور خانم ایک ڈاکٹر کے ساتھ غائب ہو گئیں اور اپنے ساتھ بہت سے جواہرات اور نقد رقم لے گئیں۔
اب شاید نواب نے قیام پاکستان کے بعد اپنی فروخت شدہ یا رہن کردہ جائداد و جاگیر کے کلیم وصول کیے ہیں اور پھر از سرِ نو دادِ عیش دے رہے ہیں۔"

جمیل آگرہ (یو پی) کے ایک متمول شریف خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس نے ناز و نعم میں پرورش پائی۔ آگرہ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ وہ طبعاً نیک نفس اور محنتی طالب علم تھا۔ کالج کے دوران ہی میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ اور اردو ادب سے ذوق رکھتا تھا۔ تقریر کے مقابلہ میں بہت سے انعامات حاصل کر چکا تھا۔ افسانہ نویسی اور مضمون نگاری میں بھی اس کو خاصا درک ہو گیا طالب علمی کے ایام ہی میں ملک کے مشہور رسالوں میں اس کے ادبی مضامین اور افسانے شائع ہونے لگے۔

بی اے میں کامیابی کے کچھ عرصہ بعد ہی اس کو زندگی کا پہلا عظیم حادثہ پیش آیا اس کی چہیتی ماں جو چند ماہ بیمار رہیں وفات پا گئیں۔

حساس دل جمیل کو یہ صدمہ بہت شاق گزرا۔

ماں باپ دونوں کی دلی تمنا تھی کہ ان کا بیٹا انگلستان جائے اور اعلیٰ تعلیم پا کر خاندان کا نام روشن کرے اور صحیح معنوں میں ان کا چشم و چراغ ثابت ہو۔ لیکن ماں کی وفات کے بعد جمیل کو اپنی ترقی اور دنیاوی جاہ منزلت کے حصول کا کوئی شوق نہ رہا۔ لے دے کے والد کا سایہ رہ گیا تھا۔ انھوں نے بیٹے کا دل بہلانے اور غم غلط کرنے کی بہت کوشش کی اور جیسا کہ طے پا چکا تھا اس کو انگلستان روانہ کرنے کے انتظام کرنے لگے۔

ابھی یہ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اس کے والد سعید احمد نمونیہ کے عارضہ میں

مبتلا ہوئے اور ہزاروں معالجوں کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔

اس جانکاہ صدمہ نے تو جمیل کی رہی سہی امید کو بھی خاک میں ملا دیا۔

اس کا دل ٹوٹ گیا۔

والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

دونو مختصر سی مدت میں بیٹے کے پروان چڑھنے اور اس کے سر سہرا باندھنے کی تمنائیں دلوں میں لیے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

جمیل اب تک نہایت اطمینان اور بے فکری سے بسر کرتا تھا۔ جائداد کا تمام کاروبار اس کے والد خود سنبھالے ہوئے تھے۔ ان جھگڑے بکھیڑوں سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا۔

اس کے والد کے انتقال کے بعد اس کے حقیقی چچا رئیس احمد نے اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ بھائی کی جائداد کی نگرانی اپنے ذمہ لی۔

جمیل شکستہ دل اس قابل ہی نہ تھا کہ وہ اس طرف توجہ کرتا۔ پھر والدین کے بعد چچا سے بڑھ کر اس کا رفیق بزرگ اور کون ہو سکتا تھا۔

چچا نے اس کے ساتھ بے حد پیار اور محبت کا برتاؤ کیا۔ اس کے مغموم دل کو انھوں نے ہر طرح مٹھی میں لینے کی کوشش کی۔ چچا کا مرتبہ باپ کی برابر ہوتا ہے۔ والدین کی شفقتوں سے محروم ہو کر صرف چچا کا واحد سہارا رہ گیا۔

چچا اس کی نظریں تکتے۔

اور وہ چچا کی فرماں برداری فرض عین سمجھتا۔

اس طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔

جمیل نے کھیل تفریح، لکھنا پڑھنا سب ترک کر دیا۔

اس کا کسی کام میں جی نہ لگتا۔

دوستوں کی صحبت سے اسے نفرت ہو گئی۔

وہ دنیا سے بے زار سا ہو گیا تھا۔

اس عرصہ میں چچا نے چند بار اس سے کچھ کاغذات پر دستخط کرائے اور اس نے بے چون و چرا آنکھ بند کر کے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

چچا اس کے تنہا بہی خواہ اور نگران تھے۔ اس کا اب دنیا میں اور کون باقی رہ گیا تھا۔ چچا بھی اس کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔

رفتہ رفتہ جمیل کا دل کچھ ہلکا ہونے لگا اور اس نے ارادہ کیا کہ گو والدین موجود نہیں لیکن ان کی تمنّا پوری کرنے کے لیے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے انگلستان چلا جائے۔ اس سے ان کی روحیں خوش ہوں گی اور خود وہ بھی دنیا میں کچھ کرنے کے لائق ہو جائے گا۔ اپنے خاندان کا نام روشن کرے گا۔

لیکن جب اس نے اپنے چچا سے یہ خواہش ظاہر کی تو انھوں نے اس کو بتایا کہ:

"تمھارے پاس اتنا روپیہ کہاں ہے جو انگلستان جانے اور وہاں کی رہائش و تعلیم کے مصارف برداشت کیے جائیں۔"

جمیل یہ سن کر حیران رہ گیا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس کے والد مرحوم کی لاکھوں کی جائداد اتنی بھی نہیں۔

وہ گومگو کے عالم میں سوچنے لگا کہ چچا سے کیا کہے۔ اگر کچھ کہے تو کہیں چچا یہ نہ سمجھیں کہ میں ان سے بدگمان ہوں اور حساب فہمی کرنا چاہتا ہوں۔

چچا نے اس کے تذبذب کو خود ہی صاف کر دیا۔

انھوں نے کہا:

"سعید مرحوم نے اپنی جائداد پر بہت سا قرضہ چھوڑا تھا۔ میں نے رہن شدہ جائداد کا کُل حصہ فروخت کر کے قرض ادا کیا۔ تم سے وقتاً فوقتاً انھیں کاغذات پر دستخط کراتا رہا۔ سب کچھ تمھارے ہی ہاتھوں سے ہوا۔ میں نے خود کچھ بھی نہیں کیا کہ کل کو تم مجھ کو الزام نہ دو کہ تمھاری جائداد فروخت کر ڈالی۔ اب تو مشکل سے گزر بسر کرنے کے لائق رہ گیا ہے۔ اگر تم ملازمت کر کے گزارے کا انتظام نہ کرو گے تو تمھارے ذاتی مصارف پورے ہونا بھی دشوار ہوں گے۔"

چچا کی یہ باتیں سن کر جمیل کے ہوش و حواس بجا نہ رہے۔

وہ جانتا تھا کہ والد مرحوم نہایت باسلیقہ اور منتظم بزرگ تھے اور پھر جائداد بھی معمولی نہ تھی جو اس طرح ختم ہو سکتی۔ چند ماہ میں لاکھوں کا خاک ہو جانا بے حد حیرت انگیز ہے۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔

اب اس کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ جہاں کہیں جیسی بھی ملے نوکری کرے۔

وہ اس بات سے بھی حیران تھا کہ چچا جان جو مجھ سے اتنی شفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ اتنی جلدی اس بے رخی پر آمادہ ہیں کہ انھوں نے صاف کہہ دیا :

"ملازمت کرو' اور' کھاؤ — ورنہ . . . ."

وہ رات دن اسی سوچ میں رہنے لگا کہ اب کیا کرے۔

آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ مرحوم والد کی کُل جائداد کتنی تھی اور ان پر قرضہ کتنا تھا تاکہ وہ صحیح اندازہ کر سکے۔ ممکن ہے والد کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے چچا جان کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہو' اور قرض کے حیلے بہانے سے جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہو' اور چچا جان نے ان کی بات اس لیے مان لی ہو کہ مرحوم بھائی اور خاندان کی بدنامی نہ ہو۔

یہ سوچ کر اس نے نہایت ادب و قرینہ سے چچا کے سامنے اپنی یہ خواہش ظاہر کی۔

اس پر چچا نے اس کو برملا سخت سست کہنا شروع کر دیا کہ:

"تم اس پردہ میں مجھے چور اور غاصب کہنا چاہتے ہو۔ میری محبت اور شفقت کا یہ بدلہ ہے۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ مجھ سے حساب مانگتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ"۔

جمیل نے ہر چند صفائی کی کوشش کی اور معافی مانگی مگر چچا کی برہمی بڑھتی گئی، اور انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

"اب تک میں نے مرحوم بھائی کی نشانی سمجھ کر تمھارے دکھ بٹائے اور تم کو کھلانے کی کوشش کی۔ یہ مکان بھی رہن ہے۔ تم اپنے رہنے اور کھانے کا انتظام کرو۔ جوان آدمی کو کوئی مفت میں کب تک کھلائے۔"

جمیل کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

اس نے کیا سوچا تھا۔

کیا ہوا؟

دنیا میں اب اس کا کوئی بھی نہیں۔

اس کی غیرت نے اس مکان میں رہنا اور اب چچا کی روٹی کھانا گوارا نہ کیا۔

چنانچہ وہ بغیر کچھ کہے سنے اپنا مختصر سامان (صرف پہننے کے کپڑے اور بستر) لے کر کسی ہوٹل میں چلا گیا۔ اور نوکری تلاش کرنے لگا۔

چچا نے اس کو نہ روکا۔

اس کے چند دوستوں اور عزیزوں کو جب یہ خبر ہوئی انھوں نے اس سے مل کر اس کو اپنے پاس بلانے کی کوشش کی مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا ایمان تھا کہ دنیا میں سوائے ماں باپ کے اور کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہوتا۔ جب حقیقی چچا نے

اس کے ساتھ اس بے دردی اور بے رحمی کا سلوک کیا تو اور کسی سے کیا امید ہو سکتی ہے۔

جمیل کے والد کے زمانہ کے کارندے جن کو اس کے چچا نے جائداد سنبھالتے ہی برخاست کر دیا تھا یکے بعد دیگرے آنے لگے اور بتانے لگے کہ آپ کے چچا نے صرف آپ سے بدسلوکی ہی نہیں کی بلکہ بددیانتی سے کام لیا ہے۔ جائداد واقعی لاکھوں کی ہے اور اس پر ایک پیسہ بھی کبھی قرض نہیں ہوا۔ رہن نامے یا بیع نامے اگر کچھ لکھے گئے ہیں تو وہ سب آپ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر آپ ہی سے دستخط کرائے گئے ہیں۔ اگر آپ ان کے خلاف قانونی کارروائی کریں تو ہم لوگ جو قدیم نمک خوار ہیں سب کچھ کرنے کو تیار ہیں اور کل جائداد واپس دلا دیں گے۔ آپ کے چچا جان نے ہم کو اسی لیے نکال باہر کیا ہے کہ ہم ان کا راز نہ جان سکیں۔

جمیل نے ان سب کی باتیں سن کر نہایت اطمینان سے کہہ دیا کہ :

"یہ سب ہمارے خاندانی معاملات ہیں۔ آپ لوگوں کی ہمدردی کے لیے میں شکرگزار ہوں مگر آئندہ اس معاملہ میں آپ کوئی بھی مجھ سے بات نہ کریں۔ میں اپنے چچا کے خلاف کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔ خدا مجھے اس لعنت میں گرفتار نہ کرے کہ میں اپنے حقیقی چچا کے مقابلے میں عدالت میں جا کر کھڑا ہوں اور جائداد کے لیے یہ ذلت اختیار کروں۔"

آخر سب نے کہنا سننا موقوف کر دیا۔

جمیل نے ایک اسکول میں ملازمت کر لی اور ٹیچر بن کر اپنی اداس زندگی صبر و شکر سے بسر کرنے لگا۔

اب وہ ایک مختصر سے مکان میں معمولی اثاثہ کے ساتھ گزر اوقات کرنے کے لائق ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ برّصغیر میں تحریکِ آزادی زور شور سے جاری تھی اور مسلم لیگ کے پرچم تلے مسلمانانِ ہند قائدِ اعظم کی سرکردگی میں آزاد مملکت پاکستان کے قیام کے لیے جدو جہد میں مصروف تھے۔

ہر طرف ہنگامے برپا تھے۔

غیر مسلم طبقوں کی طرف سے جگہ جگہ فسادات کی آگ بھڑک رہی تھی۔

آگرہ بھی اس آگ کی لپیٹ میں آگیا۔

فساد کا طوفان عرصۂ دراز تک بپا رہا۔

اسکول۔ کالج اور کاروبار بند ہو گئے۔ اور عرصہ تک بند رہے۔

مسلمانوں پر عافیت تنگ کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔

آخر دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کا قیام عمل میں آگیا۔

اور ایک بار پھر مختلف شہروں میں غرض پسندوں نے فسادات کا طوفان اٹھایا کثرت سے مسلمان پاکستان کی پناہ میں آگئے۔ غیر پاکستانی علاقوں میں عام طور پر غیر مسلموں ہی اکثریت ہو گئی۔ جو مسلمان وہاں بچ گئے یا رہ گئے تھے اکثر محکموں سے چن چن کر نکال دیے گئے۔

جمیل ایک مدت تک پریشان حال گھر میں بند رہا۔

جس محلہ میں وہ رہتا تھا اس علاقہ کے باشندوں نے حملہ آوروں کا بے جگری سے مقابلہ کیا اس لیے خدا خدا کر کے دوسروں کے ساتھ وہ بھی بچ گیا اور کئی کئی روز کے فاقے کر کے گزارے۔

اور جب کچھ امن ہوا۔

تو اس کو معلوم ہوا کہ اسکول کے نئے انتظام کے ماتحت اس کو برخاست کر دیا گیا ہے۔

جمیل کو اب ایسی باتوں کی پرواہ نہ تھی۔
وہ ایک قافلہ کے ساتھ اطمینان اور سکون کے ساتھ پاکستان کے دارالخلافہ کراچی میں آپہنچا۔
وہ اپنے تمام مصائب و آلام بھول گیا تھا۔
آزاد سرزمین میں وہ از سرِ نو زندگی کا آغاز کرنے کا خواب دیکھنے لگا۔ اس کا دل خوشیوں سے آباد تھا کہ وہ اب مملکتِ آزاد میں آزادی کا سانس لے رہا تھا۔ گو اس کے لیے عرصۂ حیات تنگ تھا۔ نہ سر چھپانے کو کہیں ٹھکانہ۔ نہ کھانے پینے کا اطمینان۔ مگر پھر بھی وہ صابر شاکر اپنی موجودہ حالت میں مطمئن نظر آتا۔
ابتدا میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرکاری مہاجر کیمپ میں رہا اور برابر سوچتا رہا کہ اب وہ کیا کرے گا۔
کچھ ہی عرصہ بعد اس نے شہر میں گھوم پھر کر ملازمت کی تلاش کی لیکن یہ افراتفری کا زمانہ تھا۔
دفتروں کی تنظیم ہو رہی تھی۔
نئی ملازمتوں کا امکان سرکاری دفاتر میں کم تھا۔
اسکولوں کی ترتیب جاری تھی۔
غرضیکہ ملازمت سے مایوس ہو کر جمیل نے محنت مزدوری ڈھونڈ کر کیمپ کی رہائش ترک کر دی۔
کیمپ میں روزانہ ہندوستان سے مسلم مہاجرین کے تباہ حال قافلے آتے تھے اور وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔
مگر یہ مسلمان مملکت کے مسلمان کیمپ تھے جو مسلمان ہی کی طرح فراخ حوصلہ اور کشادہ دل واقع ہوئے تھے جن میں سب کی سمائی تھی۔

اسی لیے جمیل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کیمپ کی چھاتی پر مونگ دلتا اور قوم کا بوجھ بنا مفت میں کھاتا پیتا رہے۔

وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اور سوچتا رہا کہ :

اگر ہمارے سب مہاجر بھائی ہمت سے کام لے کر اپنا اپنا بوجھ خود ہی سنبھال لیں اور محنت مشقت کریں تو اس نئی مملکت کی جس کے لیے ہمارے اکابرینِ ملت نے اتنی قربانیاں دی ہیں تعمیر و تنظیم کتنی آسان ہو جائے اور ہم بہت جلد حقیقی معنوں میں ایک خوش حال آزاد قوم کے شاندار افراد بن کر ترقی یافتہ ملکوں کے لیے نمونہ بن جائیں۔

جمیل نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ایک مختصر سی کوٹھڑی کرایہ پر لی۔ مالک ہوٹل کوئی معقول نیک دل آدمی تھا اس نے جمیل کی شکل و صورت سے اس کی شرافت کا اندازہ کر کے اس شرط پر اس کو کوٹھڑی دے دی کہ وہ ایک روپیہ روزانہ دے دیا کرے۔

جمیل کو دو ڈھائی روپیہ روزانہ مل جایا کرتے تھے۔

وہ بوجھ اٹھانے سے لے کر کچہری اور ڈاک خانہ کے دروازہ پر بیٹھ کر عرضی اور خط تک لکھتا اور روزانہ کی اوسط پوری کر لیتا۔ جس میں سے ایک روپیہ مالکِ ہوٹل کو پیش کر کے جو کچھ بچتا اس میں آدھے پیٹ روٹی کھا لیتا اور ہو سکتا تو اپنی تھوڑی بہت ضروریات پوری ہو جاتیں۔

لیکن اس کے کپڑے اب تک وہی تھے جو وہ پہنے ہوئے آیا تھا۔

انھیں حالات میں جمیل نے صبر و شکر کے ساتھ ایک مدت تک گزر بسر کی۔ جہاں کہیں کسی اخبار میں "ضرورت" کی سرخی دیکھتا درخواست لے کر پہنچ جاتا۔ مگر

اس نے ہر مرتبہ کی ناکامی کے باوجود بھی ہمت نہ ہاری۔ اور بدستور نوکری کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہا۔

کراچی میں آئے ہوئے کئی مہاجر دوستوں نے اس کی امداد کرنا چاہی مگر اس نے شکریہ کے ساتھ قبولیت سے انکار کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد اس نے خالی وقت میں رات کو مٹی کا چراغ جلا کر لکھنا پڑھنا بھی شروع کر دیا۔

مضمون نویسی اور افسانہ نگاری کا مشغلہ پہلے ہی جاری تھا۔ عرصہ دراز کے بعد اس زمانہ میں اس نے اس کی تجدید کی سوچی اور ناول لکھنے لگا۔

اسی طرح مہینے گزر گئے۔

ایک دوست نے اس کو مشورہ دیا کہ :

"کراچی میں گرانی بھی زیادہ ہے اور رہائش کا مسئلہ بھی بہت دشوار ہے لاہور علم و ادب کا مرکز بھی ہے اور کراچی سے زیادہ وہاں رہائش کے لیے بھی سہولتیں ہیں۔ کراچی میں مہاجرین کی تعداد بھی بے شمار ہے، مناسب ہوگا کہ تم لاہور چلے جاؤ۔"

چنانچہ جمیل نے اس مشورہ پر عمل کیا اور کسی طرح پس انداز کر کے کرایہ کا انتظام ہوتے ہی وہ لاہور آ پہنچا۔ یہاں ایک سرائے میں مقیم ہو گیا اور محنت مزدوری یا ملازمت کی جستجو میں لگ گیا۔

اس نے اندازہ کیا کہ نسبتاً یہاں اس کو کچھ آسانیاں مل گئیں لیکن زندگی کی دشواریاں یوں سہل ہونے والی نہ تھیں۔

تاہم جمیل نے ہمت نہ ہاری۔

نازونعم میں دولت کی گود میں پلا ہوا تعلیم یافتہ نوجوان دربدر روٹی

کمانے کو ترستا اور بار برداری کرتا پھرتا تھا۔

نوکری ملنا سخت مشکل تھا۔

اخباروں کے دفتروں میں گیا۔

کام نہ ملا۔

لیکن جواں ہمت مردانہ وار ان دشواریوں کو آسان بنا کر زندگی کو اپنے رخ پہ لانے کی کوشش میں مصروف رہا۔

اس کی رہ نوردی کی داستان طویل ہے۔

مگر!

بالآخر اس نے منزل کو پالیا۔

اور اس طرح اب وہ عیش و آرام اور فراغت کی زندگی بسر کرنے لگا۔

جمیل اور عزیز گاڑی میں بیٹھے ہوا سے باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ مال روڈ سے گزر کر وہ نہر کے کنارے پہنچے۔ وہاں سے گھومتے ہوئے چھاؤنی کی سڑک پر گاڑی دوڑاتے رہے۔

اور پھر جمیل نے کار کا رخ لارنس گارڈن کی طرف کر دیا۔

جہاں پہنچ کر وہ رک گئے۔

اور دونو گاڑی سے اتر کر لان پر ٹہلنے لگے۔ پھر ایک گوشہ میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

نومبر کے مہینے میں لاہور کا موسم نہایت خوش گوار، اور لارنس گارڈن بہت پُر فضا ہو جاتا ہے۔

شام کا وقت تھا۔

دھیمی دھیمی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

عزیز نے باتوں میں اپنی طالب علمانہ زندگی کے تذکرے چھیڑ دیے اور ساتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے سلسلہ مس جوڈا تک پہنچا۔

٭

عزیز نے پہلے ہی اپنے چند مخصوص ساتھیوں کے عادات و اطوار اور کردار و حالات کی مختصر تفصیل جمیل کو سنا دی تھی۔ رات کی مختصر صحبت میں جمیل نواب دلبر نواز اور جوڈا کو دیکھ چکا تھا۔ اور عزیز اس کو بتا چکا تھا کہ یہ دونو میرے کالج کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اس کی طالب علمی کا زمانہ گزرے بھی اب تقریبًا پندرہ سولہ سال ہو چکے تھے۔ اس حساب سے ان لوگوں کی عمر چالیس سے متجاوز ہونے کو تھی اور کچھ جو کم عمر تھے وہ بھی تیس پینتیس برس کے درمیان ہوں گے۔

جوڈا کی عمر کا اندازہ جو عزیز نے بتایا پینتیس برس سے کم نہ تھا لیکن اس کی جسمانی ساخت اور شکل سے بظاہر پچیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ بعض مردوں اور عورتوں کی کاٹھی ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ برسوں ایک ہی منزل میں قائم رہتے ہیں۔

سال گزرتے ہیں۔

سال گرہیں ہوتی ہیں۔

لیکن وہ جسمانی تناسب کے لحاظ سے کسی ایک گرہ پر رک کر رہ جاتے ہیں۔

عزیز نے سلسلہ گفت گو جاری رکھتے ہوئے کہا :

"نواب دلبر نواز اور مس جوڈا کسی زمانہ میں کالج میں ساتھ پڑھتے تھے۔ میں بھی ان کا ہم جماعت تھا۔ اور ایک شریف نوجوان عابد اور ذہین و شریف خاندان کی لڑکی ریحانہ بھی ہمارے ساتھ تھرڈ ایر میں تھے۔ جوڈا ایک لاابالی ادنیٰ خاندان

کی غیر ذمہ دارسی لڑکی تھی۔ اس نے عابد پر ڈورے ڈالے۔ دلبر نواز جوڈا کے پیچھے پڑے ہوئے تھے لیکن عابد اور ریحانہ نہایت خاموشی سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ جوڈا نے عابد کو پھانسنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے اسے نہایت سختی سے ڈانٹ پھٹکار کر کے مایوس کر دیا۔ اس درمیان میں خاصے ہنگامے ہوئے۔ ریحانہ کو جوڈا نے عیاری مکاری سے عابد کے خلاف خوب بھڑکایا اور دلبر نواز کو ناپسند کرنے کے باوجود محض عابد کی جلن میں تعلقات استوار کر لیے۔ حالات وقت کے ساتھ بدلتے گئے۔ کالج کے شب و روز گزرتے رہے۔ ہم سب ساتھی جو ایم اے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ دلبر نواز اور جوڈا کے تعلقات کی خبر گیری کرنے کی ہمیں ضرورت ہی نہ تھی۔ جب بھی وہ خود مجھ سے اپنے کارنامے سنانے کے جوش میں ذکر کر دیتا میں سن لیتا۔ دلبر نواز کی بابت میں بتا چکا ہوں کہ وہ "ہری چگ" قسم کا نوجوان تھا۔ دولت کے نشہ میں سرشار اپنی گوناگوں دلچسپیوں میں مصروف رہتا۔ نہ جانے جوڈا کی اس کے ساتھ کب تک نبھی اور پھر ان دونو کا کیا ہوا۔ میں اپنے کاروبار میں لگ گیا۔ عابد آئی سی ایس کا امتحان پاس کر کے ریحانہ کے ساتھ شادی کرنے میں کامیاب ہو گیا اور سکون و آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ مجھے دنیا کے تجربہ کا شوق ہوا، اور سیر و سیاحت کے لیے بیرونی ممالک میں آوارہ گردی کرنے چلا گیا۔ اب کچھ عرصہ سے واپس آیا ہوں تو یہاں کی دنیا ہی بدلی پائی۔ جب میں باہر گیا تھا تو میں ایک غلام ملک کا باشندہ تھا۔ اب ایک آزاد قوم اور آزاد ملک کا آزاد فرد ہوں۔ میرے جاتے وقت آزادی کی جدوجہد زوروں پر تھی۔ آج اس ملک کی تعمیر ہو رہی ہے جس کے خواب دیکھے جاتے تھے۔ دلبر نواز کے عادات و اطوار وہی ہیں جو تھے بلکہ اس سے بھی بدتر۔ جوڈا بھی کچھ کم نہیں۔ سنا ہے جوڈا نے اب تک شادی نہیں کی۔

وہ اس پابندی کی قائل ہی نہیں۔ دلبر نواز کی دو بیویاں ہیں اور ادھر ادھر کا حال خدا جانے، خود اس کو بھی اندازہ نہیں۔ اس کے کردار کے بارے میں تم نے اس کی باتوں ہی سے بخوبی اندازہ لگا لیا کہ کیا ہے۔ عابد سے بھی مل چکا ہوں۔ اس کی لیاقت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور وہ آج کل ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہے۔ نیکی انسان کی روح کو پاکیزہ اور روشن بناتی اور اس کے مستقبل کو پر نور بناتی ہے۔ اور بدی ایک ایسی نحوست ہے جس کی تاریکی میں انسان عقل سے بیگانہ، اور ہوش و حواس سے عاری ہو جاتا ہے۔ میں نے تو اپنے آج تک کے تجربے اور مشاہدے سے یہی سبق سیکھا اور نتیجہ نکالا ہے۔"

عزیز کی اس طولانی گفتگو میں جمیل ایسا کھویا ہوا تھا کہ اسے گرد و پیش کی بھی خبر نہ رہی۔

عزیز نے اپنے انداز بیان میں ایسی دل کشی پیدا کی اور واقعات کی سچی تصویر کشی کر کے اس کے سامنے چلتی پھرتی فلم پیش کر دی کہ جمیل مبہوت بیٹھا دیر تک سنتا رہا۔

آخر میں عزیز کے جملوں نے اس کو بے حد متاثر کیا اور وہ اس کے عقاید کو سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اس کے کردار کے بارے میں جو عارضی شبہات قائم کیے تھے وہ سب رفع ہو گئے۔ اور اس کو یہ خیال کر کے بھی مسرت تھی کہ عزیز کی دوستی اس کے لیے اطمینان اور فخر کا باعث ہوگی۔

بہت دیر ہو چکی تھی۔

عزیز اور جمیل دونوں اٹھے۔

اور واپس اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

عزیز اپنے ہوٹل پر اتر گیا اور جمیل اپنے مکان کو چلا گیا۔ وہ راستہ بھر

دلبر نواز اور جوڈا کی نسبت سوچتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اگر اس کی صحیح تربیت کی جا سکے تو وہ سدھر سکتا ہے۔ اس کے خیال میں ان دونو کی خصلتوں اور حالات کی برائیوں کی زیادہ تر ذمہ داری خود ان کے والدین پر تھی۔ پھر ماحول اور بے راہ روی پر۔

اس نے عزیز کو ہوٹل پہنچانے کے بعد اپنے گھر کے راستہ میں یہی کچھ سوچا۔ اور ارادہ کیا کہ اب عزیز سے ملاقات ہوگی تو وہ اس سے دریافت کرے گا کہ آپ کے تجربے کا فائدہ تو جب ہے کہ اپنے دوستوں کے حالات کا مشاہدہ کریں تو ان کو راہِ راست پہ لانے کی بھی کوشش کریں ورنہ یونہی مطالعہ کرتے رہنے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینے سے تو حقِ دوستی ادا نہیں ہوتا۔

جمیل سوچتا تھا کہ :

جوڈا عورت ذات ہوتے ہوئے اس قدر بدخصلت ہے اور بے راہ روی پر آمادہ کہ ہر معقول آدمی اس سے نفرت کرتا ہوگا۔ لیکن اس کی حالت ایک حد تک قابلِ رحم بھی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اس کی زندگی کے تاریک پہلوؤں پر ہمدردی سے غور کر کے خلوص کے ساتھ اس کو راستی پہ لانے اور سدھارنے کی کوشش کی ہوگی۔ زیادہ تعداد ان کی ہوگی جنھوں نے فائدہ اٹھانے اور اس کو برائی کی طرف زیادہ کھینچنے کی ترغیب ہی دی ہوگی۔

اسی طرح دلبر نواز کی زندگی بھی ہے۔

ہم برے دوستوں کی برائیوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی تو کوشش کرتے ہیں مگر کبھی ان کو گرنے سے بچانے میں ان کی کوئی مدد نہیں کرتے۔

درحقیقت انسان اتنا خود غرض اور خود پسند واقع ہوا ہے کہ دوسروں کی برائی کو اپنی کسی نہ کسی بھلائی یا خودستائی کا سبب بنانے میں زیادہ خوش ہوتا ہے۔

پھر وہ اپنے ابتدائی حالات میں کھو گیا۔

اور سوچتا رہا کہ :

” دنیا میں کوئی بھی کسی کا نہیں ہوتا۔ سب ذاتی غرض اور مطلب کے بندے ہیں آج خدا نے مجھے دولت مند بنایا ہے۔ بڑے سے بڑا آدمی میرا دوست اور عزیز ہے۔“

اس کی گزشتہ زندگی کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ اور اپنی بچپن کی لاڈ پیار کی خوشگوار زندگی سے لے کر سن شعور کے مصائب کے بعد موجودہ حالات تک سب کچھ یاد کے پردے پہ دیکھ دیکھ کر وہ تھک گیا۔

اور سوچنے لگا کہ :

اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آج مجھے یہ دن نصیب نہ ہوتا اور میری متروکہ جائداد کے کاغذات مجھے نہ ملتے اور آبادکاری کے محکمہ کے حکام محنت و جاں فشانی سے اپنے فرائض انجام نہ دیتے تو مجھے یہاں اب بھی فاقوں کے سوا کچھ بھی نہ ملا ہوتا۔

اس نے سوچا :

ہزاروں انسانوں کو جو مجھ سے بھی زیادہ بری حالت میں مصائب و آلام اور مفلسی کا شکار تھے اور اپنے جائز حقوق کے لیے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ میرا تو کسی میں شمار ہی نہ تھا۔ نہ مجھے کسی بات کی خبر تھی، نہ توقع۔

یہ سب خدا کی دین ہے۔

دراصل جمیل پر جو کچھ بیتی، اس کی تفصیل تو لمبی ہے۔ جس زمانہ کا یہ ذکر ہے اس سے کچھ ہی عرصہ پہلے اس کے باپ کے زمانہ کا ایک کارندہ ہندوستان سے پاکستان آیا اور جمیل کو جگہ جگہ تلاش کرنے کے بعد اس کا پتہ چلانے میں کامیاب

ہو گیا۔ وہ اپنے ساتھ جمیل کے باپ کی کُل جائداد کے کاغذات لایا تھا جو اس کے چچا نے غصب کر لی تھی اور اس کے مشورے سے جمیل نے حکّام متعلقہ کو وہ سب کاغذات اور نقشے وغیرہ دکھا کر اپنا غصب شدہ حق حاصل کر لیا۔

اس طرح وہ اب لاکھوں روپیہ کی جائداد، مکانات اور زمینوں وغیرہ کا مالک بن چکا تھا۔

*

جمیل اور عزیز کی ملاقات کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی مدت میں یہ دونوں آپس میں شیر و شکر ہو گئے تھے۔ دن کا زیادہ حصہ دونو ساتھ رہتے اور رات گئے تک بھی کہیں نہ کہیں اکٹھے ہی گزارتے۔

جمیل کو اتنے ہی دنوں میں عزیز کی ذات اور تجربہ پہ پورا بھروسہ ہو گیا تھا۔ عزیز سے اس کی ملاقات ایک قدیم مخلص دوست کی وساطت سے ہوئی تھی جو عرصہ سے امریکہ میں مقیم تھا۔

جمیل کی زندگی نے جو رخ مختلف وقتوں میں اختیار کیا اور اب سے پہلے جو واقعات پیش آئے ان کو دیکھتے ہوئے وہ اس بات کا قائل ہو چکا تھا کہ انسان اپنی قسمت کا تابع ہے۔ مدتوں پہلے لاہور آنے کے بعد جب اس نے نئی زندگی شروع کی تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں بھی اس کے لیے کچھ زیادہ امید افزا حالات نہیں ہیں۔

لیکن وہ بمصداق ع

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

جو ممکن ہو سکا اس نے کیا۔

اور جس طرح بن پڑا دن گزارے۔

ایک دو اخباروں کے دفتروں میں اس کو مترجم کی حیثیت سے نوکری مل گئی اور نوکری بھی وہ جو ایک قسم کی مزدوری ہی تھی۔ کہیں سے ایک روپیہ روزانہ ملتا اور

کہیں سے دو روپیہ یومیہ — جہاں دن یا رات کے کئی گھنٹے گزارا کرنا پڑتا۔

ایک اخبار کے مالک نے اس کو اس جرم میں نکال دیا کہ اس نے کسی ایسی خبر کا ترجمہ کر کے اخبار میں شائع کرا دیا جو مالک موصوف کے کسی مخالف کی تعریف میں تھی۔

جمیل کو یہ معلوم نہ تھا۔

اور اگر اس خبر کی اشاعت کی ذمہ داری اسی پر عاید ہوتی تھی تو وہ ایڈیٹر یا سب ایڈیٹر ہوتا۔ وہ تو صرف مترجم تھا اور اس کے کیے ہوئے ترجمے ایڈیٹر پاس کرتا تب وہ اشاعت کے لیے بھجوائے جاتے۔ مگر پھر بھی سارا نزلہ اسی پر گرا۔

کسی اخبار کے مالک نے اس کو اس بات پر برخاست کر دیا کہ جب وہ دفتر میں کام کر رہا تھا تو مالک کے بچے وہاں آ گئے اور انھوں نے جمیل سے فرمائش کی کہ انھیں بازار لے جا کر سیر کرا دے اور جمیل کو چونکہ ترجمہ ختم کر کے کاتب کو جلدی دینا تھا۔ اس لیے اس نے ان کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔

جب مالک کو اپنے بچّوں کی زبانی جمیل کی حکم عدولی کی شکایت موصول ہوئی تو اس نے جواب طلب کیے بغیر اس کو جواب دے دیا۔

آخر جمیل نے ان دفتروں کی خاک چھاننے کے بدلے قلی بن کر بوجھ اٹھانا زیادہ بہتر سمجھا جہاں محنت کر کے پیٹ بھر روٹی مل سکتی تھی۔

کپڑوں میں پیوند لگا کر پہننے کا وہ عادی ہو چکا تھا۔

اور — قناعت کو اس نے مردانگی کے ساتھ اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ وہ دو وقت فاقے سے رہ کر بھی مسکرانے کا عادی بن چکا تھا۔

موجودہ زندگی اور خوش حالی کے زمانہ میں بھی وہ گزشتہ واقعات کو یاد کر کے مسکراتا اور ان کا لطف اٹھاتا۔

کراچی کے قیام کے دوران جو ناول اس نے شروع کیا تھا لاہور آ کر بھی لکھتا رہا۔

اور اس کی تکمیل کے بعد وہ سوچنے لگا کہ کسی پبلشر کے پاس جا کر اس کا سودا کرے۔ اخباروں میں ترجمہ کرنے کے زمانہ میں اس نے ان دفتروں کے لوگوں سے شہر کے پبلشروں کے بارے میں دریافت کیا تو ان کی گفتگو سے اس کی ہمت ٹوٹنے لگی تھی۔ کیونکہ انھوں نے جمیل کو بتایا تھا کہ مشہور پبلشر کسی غیر معروف مصنّف کی کتاب نہیں چھاپتے۔ کتاب نام سے چھپتی ہے کام کو کوئی نہیں دیکھتا اور نئے پبلشر ایسی کتابیں شائع کرتے ہیں جو بازار میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو سکیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے ناول کے کردار عام بازاری آوارہ گرد قسم کے ہوں جو سستے اور عریاں جذبات کا اظہار کریں اور جب اس نے ان لوگوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اپنے ناول کو موجودہ قومی معاشرت کی اصلاح کا آئینہ دار بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ :

اب ہم آزاد مملکت کے باشندے ہیں۔

صحیح معنوں میں اب ہم اس لائق ہیں کہ اپنی تہذیب اور معاشرہ کے زرّیں اصولوں کو اجاگر کریں۔

اور —

ہمارے ناول یا افسانوں کے کردار آزاد قوم کے نمائندے بن کر اپنے قومی ورثہ کی حفاظت کا اعلان کریں۔

قومی تعمیر اور ملکی استحکام کی تدبیریں سوچیں۔

ہماری ادبی صلاحیتیں اگر عام انداز کے بے مقصد لٹریچر میں اضافہ کرنے کے لیے وقف رہیں اور ہمارے ناول نگار غلامی کے دور کی طرح اب بھی سستے اور عریاں غیر مفید و غیر مہذّب ناول لکھنے میں مصروف رہیں تو ہم بیکار انبار میں اضافہ کرنے کے سوا اپنے ملکی ادب کی کیا خدمت انجام دے رہے ہیں ؟

جمیل کے ان خیالات کو سن کر ان لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا تھا اور بالاتفاق کہہ دیا تھا کہ :

" اگر آپ ایسی ہی کتابیں لکھیں گے تو اس وقت تک کے لیے ان کو اپنے پاس محفوظ رکھیے جب آپ کے نام کوئی لاٹری نکل آئے اور یا کہیں سے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تاکہ آپ خود ہی ان کو چھاپ سکیں۔ اور قومی خدمت کے لیے مفت تقسیم کرتے رہیں۔ پبلشر تو صرف تجارت کے لیے کتابیں چھاپتے ہیں۔ آپ کی طرح خدمتِ خلق ان کے مدِ نظر نہیں۔ وغیرہ وغیرہ "

جمیل کو ان باتوں سے تعجب بھی ہوا، اور دکھ بھی —

کہ اگر اب بھی اس نئے ملک میں آزاد ادب سے ہم تجارت ہی کا کام لیتے رہے تو ان میں اور ایک بڑھئی یا لوہار میں کیا فرق ہے۔ اگر ہمارے سب پبلشروں کے خیالات اور مطمحِ نظر یہی رہے تو پاکستان میں تخلیقی ادب کی تو کوئی جگہ ہی نہ ہوگی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے سوچا کہ :

یہ محض ان لوگوں کے ذاتی خیالات اور رائے ہے۔ وہ خود دو ایک ناشروں سے مل کر دیکھے گا۔ آخر سب ایک ہی طرح کے نہیں ہوں گے۔ اب تاجر پیشہ لوگوں کا قومی شعور بھی بیدار ہوگا اور پھر جب ہمارے ادیب ان کو اپنی راہ پر لائیں گے اور مقصدی ادب کی تخلیق ہوگی تو یقیناً ناشروں کو اس کے مطابق اپنا تجارتی نصب العین مرتب کرنا ہوگا۔

اس کے علاوہ وہ سوچتا کہ :

ہمارے عوام میں بھی تو اب کارآمد اور قومی لٹریچر کی مانگ ہوگی۔

جذباتی دور ختم ہوگیا۔

آزاد قوم کے عوام بھی تو بلند خیال ہوتے ہیں۔

اور — یہ سوچ کر وہ بازار میں گیا۔

بغل میں اپنے نو تصنیف مسودہ کو دبائے کئی پبلشروں سے ملا۔

ان میں سے کئی اصحاب نے تو نئی کتاب چھاپنے سے انکار ہی کر دیا کہ آجکل کساد بازاری ہے۔ روٹی ملنا دشوار ہے کتاب کہاں بکتی ہے۔

کئی ایک نے ناک بھوں سکیڑ کر اپنی عینک کو صاف کرتے ہوئے عجب انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :

"آپ نے لکھا ہے یہ ناول ؟"

"کیا نام ہے آپ کا ؟"

"اس سے پہلے اور کتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں آپ کی ؟"

اور ان سوالوں کے جواب سن کر صاف جواب دے دیا کہ :

"ہم صرف مشہور مصنّفوں کی کتابیں چھاپتے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں لکھتے رہیے پھر دیکھیں گے۔"

چند ایک ایسے بھی ملے جو جمیل کے خیال میں کچھ پڑھے لکھے اور سمجھ دار تھے۔ کیونکہ انھوں نے مسودہ لے کر ادھر ادھر سے ورق گردانی کی اور کچھ دیر تک دو ایک صفحے پڑھے بھی۔

اس کے بعد سوال کیا کہ :

"یہ ناول لکھا ہے آپ نے ؟"

جمیل نے اس سوال پر حیرت سے ان کا منہ تکتے ہوئے سادگی سے جواب دے دیا کہ :

"جی ہاں — ناول !"

اور پھر انھوں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ مسودہ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کچھ اسی قسم کے الفاظ کہے جو وہ اخباروں کے دفتروں میں سن چکا تھا اور فیصلہ صادر کیا کہ :

"ایسی کتاب بازار میں کون خریدے گا"۔

غرضیکہ جمیل مسودہ لیے حیران پریشان جگہ جگہ پھرا۔

اور ہر جگہ سے مختلف انداز کے مہمل مایوس کن جواب لے کر بے نیل و مرام واپس آ گیا۔

اس کو اس وقت علامہ اقبال کا مصرع یاد آیا ع

"یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے"

"مگر یہ کب اور کیسے ہو گا ؟"

اس یاس انگیز خیال نے اس پر تسلّط کر لیا۔

لیکن پھر بھی وہ امید کے سہارے ایک دو روز بازاروں کی خاک چھانتا رہا۔

اور پھر —

ایک دن وہ ایک چھوٹی مگر اونچی سی کتابوں کی دکان پہ گیا۔ اس کے سامنے کچھ دیر کھڑا بورڈ پڑھتا رہا۔

پھر مالکِ دوکان کے پاس جا کر اس نے پوچھا :

"آپ کتابیں چھاپتے ہیں ؟"

مالکِ دوکان نے آنکھیں پھاڑ کر ہنستے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

اور بولا :

"آپ کیا سمجھتے ہیں ؟"

جمیل نے کہا :

"جی میں آپ سے پوچھتا ہوں"۔

جواب ملا:

"اور میں آپ سے پوچھتا ہوں"۔

جمیل تھوڑی دیر خاموش جواب سوچتا رہا۔

پھر بولا:

"میرا خیال ہے آپ کتابیں چھاپتے ہیں!"

مالک نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا:

"شکر ہے آپ کے خیالِ شریف میں آ تو گیا — آخر آپ کو یہاں کیا نظر آرہا ہے۔ ہماری دکان میں گھاس تو نہیں بھری ہے۔ کوئی گھسیارے نہیں ہیں"!

جمیل پہلے تو اس کی گفت گو سے کھسیانا ہو گیا۔

پھر جرأت کر کے بولا:

"میرے پاس ایک ناول کا مسودہ ہے۔ آپ چھاپیں گے؟"

مالکِ دوکان نے جمیل کو اس طرح گھورا جیسے کوئی مشتبہ چور کو تاکتا ہے اور کہنے لگا:

"کہاں سے لے آئے؟ کس کا ہے؟"

جمیل یہ سن کر سخت پریشان ہوا۔ اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگا کہ نہ جانے یہ شخص مجھے کیا سمجھ رہا ہے۔

مگر کر بھی کیا سکتا تھا۔

پھر ضرورت نے مجبور کیا تھا کہ ٹیڑھے سوال کا سیدھا جواب دے سختی کے بدلے بھی نرمی برتے۔

اس نے اپنے اوپر قابو پا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"میں نے لکھا ہے۔"

مالک نے ہنستے ہوئے اور اس کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے کہا :

" اجی جانے دیجیے۔ سچ سچ بتاؤ کس کا ہے ؟"

جمیل اس کا منہ تکتا رہا۔

وہ پھر بولا :

" اگر کسی اچھے لکھنے والے کا ہے تو چھاپ دیں گے۔"

جمیل غصہ سے جھلّا رہا تھا۔ مگر ضبط کیے ہوئے ہر توہین آمیز فقرہ کو برداشت کر رہا تھا۔

بولا :

" میں نے آپ کو سچ بتایا ہے۔ یہ میری اپنی تصنیف ہے۔ کسی دوسرے مصنّف کا مسودہ میں آپ کے پاس کیوں لاتا۔"

مالک نے جیسے جمیل کے لہجہ کی صداقت پر نادانستہ طور پر یقین کر لیا ہو۔ مگر پھر پوچھ بیٹھا :

" تم پڑھے لکھے ہو۔ ؟"

جمیل اس قسم کے سوالات سے بے حس سا ہو رہا تھا۔

جلدی سے کہنے لگا :

" جی ہاں ! میں بی اے ہوں۔"

مالک نے منہ پھاڑ کر کہا :

" بی اے پاس ہو ؟ — اچھا جی !"

جمیل نے کوئی جواب نہ دیا۔

مالک نے نام پوچھا۔

اس نے بتایا :

" جمیل احمد۔"

مالک نے کہا :

" بس — اور آگے پیچھے کچھ نہیں ؟"

جمیل کی سمجھ میں یہ فقرہ بالکل نہ آیا۔

مالک کہتا چلا جا رہا تھا :

" بھئی یہ کیسے مصنّف ہو تم۔ مشہور مصنّف تو وہ ہیں جن کے نام کے ساتھ کچھ اور دُم چھلّا بھی ہوتا ہے۔"

جمیل نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے اس فقرہ کا لطف لیا اور اپنا دکھ بھلانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا :

" میں ابھی مشہور مصنّفوں میں شامل نہیں ہوں۔ یہ میری پہلی کتاب ہے۔"

مالک نے بڑی بے دلی سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا :

" ایسی کتاب کو کون پوچھتا ہے — خیر لاؤ دیکھیں تو — ہے کیا ؟"

جمیل نے مسودہ آگے بڑھا دیا۔

اور اس کو یہ دیکھ کر بے حد تعجب ہوا کہ مالک نے ورق گردانی کے بجائے مسودہ کو ہاتھ میں لے کر اس طرح وزن کیا جیسے کوئی ردّی کاغذوں کو دیکھتا ہے۔

اور پھر کہنے لگا :

" کیا لوگے ؟"

جمیل اس ساری ہتک کو نگل کر امید افزا لہجہ میں بولا :

" آپ ہی بتا دیجیے !"

مالک نے کچھ سوچ کر کہا :
" بیس روپے دے دیں گے ۔"
جمیل کا دل جل گیا۔
اس کا اندازہ تھا کہ مسودہ کی ضخامت کے لحاظ سے کوئی پانچ سو صفحے کی کتاب ہوگی۔
مگر اس کی قیمت صرف بیس روپے ؟
اس کے جی میں آیا ۔
مالکِ دوکان کو ایسی جلی کٹی سنائے کہ وہ اپنی ساری فقرہ بازی بھول جائے لیکن کچھ نہ کہہ سکا۔ سوائے اس کے کہ پژمردہ لہجہ میں اسی کے جملہ کو دوہرانے لگا :
" بیس روپے ؟"
اور مالک نے جلدی سے اس کے فقرے کو کاٹ کر کہا :
" کچھ کم سمجھتے ہو ؟ ابھی تو تم نے ایک ہی کتاب لکھی ہے اور چھپی تک نہیں ۔ اس پر سینکڑوں روپیہ صرف ہوگا ۔ اس کے بعد معلوم نہیں بکتی بھی ہے یا نہیں ۔ عوام کی پسند پر ہے ۔"
پھر بھی جمیل نے ڈھٹائی سے کہا :
" بیس روپے تو بہت کم ہیں ۔"
مالک نے تلخ لہجہ اختیار کر لیا ۔
اور کہنے لگا :
" تو اور کیا سو دو سو لو گے ؟"
اس نے یہ جملہ کچھ اس انداز سے ادا کیا جیسے دو چار ہزار روپیہ کا طعنہ

دے رہا ہو۔

جمیل کے جی میں آیا کہ اس بکواس کا منہ توڑ جواب دے اور مسودہ اس کے ہاتھ سے چھین کر چل دے۔

لیکن پھر سوچنے لگا :

اگر بیس روپے ہی مل جائیں تو کیا مضائقہ ہے کم از کم ایک دو جوڑے کپڑے ہی بنا لوں گا۔

اس عرصہ میں گفت گو کے دوران جمیل نے اندازہ کیا تھا کہ مالکِ دوکان بار بار اس کے لباس کے پیوند پر نظر ڈالتا تھا اور اس کی نظروں میں ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ چھپی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ مالکِ دوکان اس کا مسودہ سامنے رکھ کر اٹھا اور سامنے کی الماری میں سے ایک بھاری بستہ میلے کچیلے کپڑے میں بندھا ہوا اٹھا کر لایا جس پر گرد و غبار کی تہ جمی ہوئی تھی۔

پہلے تو اس نے ساری گرد جمیل کے اور خود اپنے منہ پہ اڑا کر بستہ کو صاف کیا۔

پھر اسے کھولتے ہوئے کہنے لگا :

"یہ دیکھو، اس میں کم و بیش پچاس مسودے ہیں۔ ناول ہیں۔ افسانے ہیں اور شاعری کی کتابیں بھی ہیں۔ ان میں سے بہت سی مشہور مصنّفوں کی کتابیں ہیں۔ جانتے ہو یہ کتنے کتنے میں خریدی ہیں۔ اب سے برسوں پہلے کی ہیں۔ ابھی تک ان کے چھاپنے کی بھی باری نہیں آئی۔ تمھاری کتاب بھی باندھ کر رکھ دوں گا۔"

جمیل نے ان ادبی تخلیقات کے جنازوں کو جو گرد آلود کفن میں ایک ہی جگہ دفن تھے غم و عبرت سے دیکھتے ہوئے اپنی بے کس تصنیف کی لاش پہ حسرت سے نظر

ڈالی۔

اور پھر آہستہ سے بولا :

" مگر میں تو اس کو چھپوانا چاہتا ہوں۔"

مالک نے تیزی سے کہا :

" تم کو قیمت سے مطلب ہے۔ وہ میں ابھی دے دوں گا۔ میں نے کہا نا کہ اتنے مسودوں کو چھاپنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ اور پھر۔ میں تم پر ترس کھا کر زیادہ قیمت دے رہا ہوں۔ تم کہتے ہو : بی اے پاس ہو، اس لیے تمھاری ضرورت اور تکلیف کا خیال کر کے لے رہا ہوں ورنہ مجھے ضرورت بھی نہیں۔ یہ مسودے دس روپیہ سے بیس روپیہ تک میں خریدے ہیں۔"

جمیل حیران تھا کہ یہ بھی عجیب شخص ہے۔

اس کو اس کی باتوں پر اعتبار نہ آتا تھا۔

وہ شاید اس خیال سے بیس روپے ہی لینے کو تیار ہو جاتا کہ اپنی محنت ہی تو ہے۔ جو مل جائے مجبوراً لے لوں۔ کم سے کم کتاب چھپ جانے سے مصنفوں کی صف میں نام تو آجائے گا۔

پھر آگے کچھ امید ہوگی۔

لیکن مالک دوکان نے اس کی رہی سہی آس بھی توڑ دی۔ کیوں کہ اس نے اپنے فیصلہ پر برابر اصرار کر کے صاف صاف جتا دیا کہ کتاب کے چھاپنے کا ابھی کوئی وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس لیے اس نے سوچا کہ :

اس لسنة میں دفن کرنے کے لیے بیس روپیہ میں اپنی دماغی کاوش فروخت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کو جلا کر راکھ کر دوں اور آئندہ کبھی ایسی حماقت

نہ کروں کیوں کہ جتنا وقت اور محنت اس تصنیف میں صرف ہوا ہے اس سے بہتر ہے کہ اس کو کوئی اور مزدوری کر کے کام میں لایا جائے۔

مصنف بننے سے بہتر ہے کہ قلی بن کر بوجھ اٹھاتا رہوں۔

یہ سوچ کر اس نے مسودہ اٹھا کر بغل میں دبایا اور چپ چاپ بغیر کچھ کہے سنے اس دوکان سے روانہ ہوگیا۔

اس کے بعد جمیل نے اس مسودہ کو اپنی کوٹھڑی میں لا کر بے جان لاش کی طرح ایک طرف پھینک دیا اور کہیں کسی پبلشر کے پاس جانے کی ہمت نہ کی۔

وہ بوجھ اٹھاتا۔

اور میلے کچیلے پیوند لگے کپڑوں میں حسب معمول آدھے پیٹ روٹی کھاتا رہا۔

وقت کسی نہ کسی طرح گزرتا رہتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد جمیل کو ایک ہم وطن دوست ملا۔

جس نے بتایا کہ :

اس کا ایک قدیم کلاس فیلو انور بیگ جو تعلیم سے فراغت حاصل کر کے بزنس میں لگ گیا تھا کچھ عرصہ سے نیویارک میں ہے اور ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار کر کے بڑی ترقی حاصل کر رہا ہے۔

جس دوست نے یہ اطلاع دی۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ :

وہ دس بارہ روز ہوئے کہ آگرہ سے پاکستان آیا ہے اس کے آنے سے چند روز پہلے اس کے پاس انور بیگ کا خط آگرہ میں آیا تھا اس نے جمیل کو خاص طور پر دریافت کیا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے اس کا پتہ دریافت کر کے ضرور لکھو۔

جمیل نے اس دوست کو اپنا سارا حال مختصر طور پہ سنا دیا۔

اور کہا کہ :

"میرا کوئی پتہ ہی نہیں بتاؤ گے کیا؟ میں ماضی کو فراموش کر چکا ہوں۔ نہ میرا اس دنیا میں کوئی تھا اور نہ میں کسی سے ملنے یا اپنی خبر اس کو دینے کے لائق ہوں"۔

لیکن اس دوست نے بڑے اصرار سے جمیل کے ساتھ جا کر اس کی سرائے والی کوٹھڑی اور خستہ حالت کو معلوم کر لیا۔

اس دوست نے بے حد کوشش کی کہ وہ اس کے ساتھ اس کے ایک عزیز کے مکان پر قیام کرے جہاں وہ خود مقیم ہے۔

لیکن جمیل نے سختی سے انکار کر دیا۔ اور اس کی ہر مدد قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

اس واقعہ کو بھی کئی ہفتے گزر گئے۔

جمیل کا دوست اس دوران میں کئی بار اس سے ملنے سرائے میں آیا لیکن جمیل اس کو نہ مل سکا کیوں کہ وہ تو علی الصبح محنت مزدوری کے لیے نکل جاتا اور رات گئے واپس آ کر کوٹھڑی میں پڑ رہتا۔

ایک دن وہ مالک سرائے کو اپنا پتہ بتا کر جمیل کے نام اس سے ملنے کا پیام بھی دے گیا۔

مگر جمیل کی حمیت اور خودداری نے اس سے ملاقات گوارا نہ کی۔

ایک دن جمیل کو شدید نزلہ زکام ہو رہا تھا۔ اور بخار بھی تھا۔ وہ تھکا ماندہ شام ہی سے سرائے واپس آ گیا۔

غموں سے چور چور اس کا دل اپنی خستگی، بدحالی اور بدنصیبی پہ رو رہا تھا اس نے گڑگڑا کر اللہ پاک کے حضور میں التجا کی کہ :

"باری تعالیٰ!

میرے دانستہ و نادانستہ سب گناہ معاف فرما!

مجھے نہ دولت کی تمنّا ہے نہ شہرت کی آرزو۔

میرے دل میں صرف ایک حسرت ہے،

میری ماں اور میرے باپ کی نیکیوں کے طفیل مجھ پر رحم و کرم فرما!

اور میری یہ حسرت پوری کر دے

کہ مَیں اپنے والدین کی روحوں کو خوش کر سکوں۔

مجھے اس لائق کر دے کہ

مَیں ان کی تربیت اور تعلیم کا حق ادا کر سکوں۔

اور کسی ایسے کام کے قابل ہو جاؤں

جس سے قوم اور ملک کی بہبودی ہو!

اور میرے خاندان اور والدین کا نام پردۂ گم نامی میں نہ رہے!

اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر مجھے گمنامی کے ساتھ اس جہانِ فانی سے اٹھا لے!

تاکہ!

میں اپنی نئی مملکت کے سینہ کا بوجھ نہ بنا رہوں۔"

وہ اسی طرح گڑگڑاتا اور کوٹھڑی میں پڑا بے اختیار آنسو بہاتا رہا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

اس نے جلدی سے آنسو پونچھ کر آواز دی:

"کون ہے ؟"

جواب میں سرائے کے ایک ملازم نے اس کا نام لے کر کہا :

"آپ کا خط ڈاکیہ دے گیا ہے۔"

وہ حیران تھا کہ :

اس کا خط، اور، ڈاک سے !

یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

اس کا پتہ تو کسی کو بھی نہیں معلوم اور نہ کوئی شخص ایسا ہے جو اس کو خط بھیجے۔

وہ سمجھا کہ بخار اور نزلہ نے اس کے حواس مختل کر دیے ہیں ملازم نے کچھ اور کہا ہوگا۔

مگر اس نے یونہی جواب میں ملازم سے کہہ دیا :

"اندر آ جاؤ بھائی ــ مجھے بخار ہے اٹھا نہیں جاتا۔"

وہ اندر آیا۔

اور ایک نیلا لفافہ جمیل کو دیتے ہوئے بولا :

"یہ خط ہے آپ کا۔"

پھر اس کو دیکھ کر کہنے لگا :

"کیسی طبعیت ہے آپ کی ؟"

جمیل نے حیرت اور اضطراب کے عالم میں اس کے ہاتھ سے لفافہ لیتے ہوئے کہا :

"نزلہ بخار ہے !"

ملازم نے ہمدردی سے اس کے جسم پر ہاتھ رکھا اور یہ دیکھ کر کہ اس کا

جسم تو بخار سے جل رہا ہے جلدی سے کہنے لگا :

"آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔ آپ نے کوئی دوا نہیں پی۔"

جمیل نے جواب میں

"نہیں تو !"

کہتے ہوئے مٹی کے چراغ کی دھیمی روشنی میں جلدی جلدی لفافہ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کا پورا پتہ سرائے کا نام اور کوٹھڑی کا نمبر تک لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف بھیجنے والے کا نام اور پتہ بھی تحریر تھا۔

لفافہ بیرونی ڈاک کا تھا۔

بھیجنے والے کے نام اور پتہ کو دیکھ کر اس کو اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ یہ خط اس کے قدیم ہم جماعت انور بیگ کا تھا۔

وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے سرائے کے ملازم کی طرف جو اس کے سرہانے کھڑا بڑی ہمدردی سے اس کو تک رہا تھا ذرا بھی توجہ نہ کی اور جلدی جلدی خط کھول کر پڑھنے لگا۔

خط کے ساتھ ایک کاغذ اور تھا۔

جمیل کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ یہ کاغذ کا پرزہ ایک ہزار روپیہ کا ڈرافٹ تھا جو لاہور کے گرنڈلے بنک میں کیش کیا جا سکتا تھا خط میں نہایت خلوص و ہمدردی کے ساتھ انور بیگ نے جمیل کے موجودہ حالات پر افسوس کا اظہار کیا تھا اور اپنے مختصر حالات بھی لکھے تھے۔

یہ بھی لکھا تھا کہ :

"میری خواہش ہے کہ تم جس طرح ممکن ہو پاسپورٹ تیار کرا لو، اور میرے پاس آ کر میرے کاروبار میں مددگار بنو۔ یہ بھی تمھارا

ہی کام ہے۔ تمہارے سہارے سے اس میں بہت کچھ ترقی ہو سکے گی"
ڈرافٹ کے سلسلہ میں اس نے لکھا تھا کہ :

"بہت عرصہ ہوا جب میرے اور تمہارے والد صاحب حیات تھے تو میرے والد صاحب نے تمہارے والد صاحب سے کچھ روپیہ آگرہ میں قرض لیا تھا ان کی نوٹ بک سے مجھے اس کا حال معلوم ہوا میں اس وقت معذرت چاہتا ہوں کہ کُل رقم حاضر نہیں کر سکتا کیونکہ بہت سی رقم یہاں ایک بزنس میں پھنسی ہوئی ہے - فی الحال تھوڑی سی رقم بذریعہ ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں - انشاءاللہ بہت جلد باقی رقم کا بھی انتظام کر دوں گا - پاسپورٹ بنوا لینے کے بعد مجھے اطلاع دو تو ہوائی جہاز میں تمہاری سیٹ بک کرانے کا انتظام کر کے تاریخ سے مطلع کر دوں - میں تمہارے تفصیلی خط اور حالات کا بے صبری سے انتظار کروں گا - یقین کامل ہے کہ اب تم اپنے مخلص اور حقیر ساتھی کو نہ بھولو گے - اور جب تک ہم دوبارہ نہ مل جائیں نصف ملاقات کا سلسلہ بذریعہ خط و کتابت جاری رہے گا۔"

جمیل کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے یا بیداری کی حالت میں یہ خط پڑھ رہا ہے - اس خود غرض اور فریبی دنیا میں ایسے مخلص اور سچے دوست بھی موجود ہیں -

سرائے کا ملازم چپ چاپ کھڑا اس کی حالت کو دیکھتا رہا - وہ جمیل کو یہاں کے قیام میں عرصہ سے دیکھتا اور اندازہ کرتا رہا تھا کہ یہ ضرور کوئی خوش حال شریف خاندان نوجوان ہے جو زمانہ کے ہاتھوں اس خستہ حالت کو پہنچا ہے -
جمیل نے اس خط کو کئی بار پڑھا اور ڈرافٹ کو تو بار بار دیکھتا رہا۔

ملازم نے اس کو اس اضطرابی کیفیت میں مبتلا دیکھ کر کہا :

"صاحب خیریت تو ہے ۔ یہ خط آپ کے کسی عزیز کا ہے ؟"

جمیل کو اس وقت ملازم کی موجودگی کا احساس ہوا ۔

اس نے گھبرا کر کہا :

"ہاں آں ۔ ٹھیک ہے ۔ یہ خط بہت دور سے آیا ہے ۔ امریکہ سے ۔"

ملازم نے آنکھیں پھاڑ کر اس کو دیکھا ۔

اور بولا :

"امریکہ سے ؟ صاحب تب میں ٹھیک ہی سمجھتا تھا ۔"

جمیل نے حیرت سے کہا :

"کیا سمجھتے تھے تم ؟"

ملازم نے نرمی سے کہا :

"یہی نا کہ آپ کوئی بڑے خاندان کے بہت اچھے آدمی ہیں !"

جمیل اس کو شفقت سے تکنے لگا ۔

کیونکہ ملازم کے لہجہ میں بڑا پیار تھا ۔

یہ سرائے کا پرانا بڈھا ملازم تھا جو آئے دن ہر قماش اور وضع کے لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا آیا تھا ۔

جمیل نے کہا :

"بڑے میاں میں تو بہت غریب آدمی ہوں ۔ ایک معمولی مزدور ۔ جو دن بھر بوجھ اٹھاتا اور مشکل سے پیٹ پالتا ہے ۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ میرے بارے میں اچھا خیال رکھتے ہو ۔"

ملازم نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا ۔ خاموش رہا ۔

پھر کہنے لگا :

"صاحب ! آپ کی طبیعت خراب ہے۔ دوا ضرور پی لیجیے ! میں ابھی لائے دیتا ہوں"۔

جمیل کے پاس چند آنے پڑے تھے کیوں کہ اس نے طبیعت کی ناسازی کے سبب کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس نے ملازم کو وہ پیسے دیتے ہوئے کہا :

"تمھاری بڑی عنایت ہے۔ ذرا تکلیف کر کے مجھے دوا لا دو۔"

پھر سوچنے لگا :

کہ اتنے سے پیسوں میں دوا کیسے آئے گی ؟

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہے اور سوچے بوڑھا ملازم باہر جا چکا تھا۔

جمیل کا دل اس وقت خوشی سے منوّر ہو رہا تھا۔

وہ تہِ دل سے اللہ پاک کا شکر بجا لایا کہ یہ سب اس کی بخشش اور دین ہے۔

اس نے سوچا کہ :

ذرا دیر میں میری حالت کچھ سے کچھ ہو گئی۔ جس کے پاس تھوڑی دیر پہلے ایک پورا روپیہ بھی نہ تھا اب وہ ایک ہزار روپیہ کا واحد مالک بن گیا۔ جس کا کوئی بھی نہ تھا آج وہ اپنے دوست کے محبت بھرے خلوص پہ فخر کر سکتا ہے اور دوست تو خیر اس وقت سات سمندر پار بیٹھا ہے لیکن یہ اس غفور الرحیم خالقِ بے ہمتا کا کرم ہے کہ اسی سرائے میں اس کو ایک بے غرض ہمدرد بھی مل گیا۔ جو بغیر کہے اس پہ اتنا مہربان ہے کہ اس کی تیمارداری کے لیے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔

پھر وہ انور بیگ کے صدق و خلوص کو سراہنے لگا۔

اور سوچنے لگا کہ :

انور بیگ نے میری مدد کا یہ حیلہ بنایا ہے جو قرضہ وغیرہ کی کہانی گھڑی ہے اور بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو دنیا میں آج کل اس طرح کون کسی کا قرض چکانے کی پروا کرتا ہے۔

وہ انھیں خیالات میں غوطہ زن تھا کہ بوڑھا ملازم آیا اور اس نے ایک شیشی میں ڈاکٹر کی دوا اور سفوف کی پڑیاں دیتے ہوئے اس کے استعمال کی ترکیب بتائی اور جلدی سے دوڑ کر گلاس لا کر ایک خوراک سفوف اور دوا پلا بھی دی۔

پھر وہ باہر چلا گیا۔

اور تھوڑی دیر میں ایک پیالہ میں گرم دودھ اور پلیٹ میں ڈبل روٹی لیے ہوئے آیا۔

جمیل نے کہا :

"بڑے میاں آپ تو میرے لیے بڑی تکلیف اٹھانے لگے۔"

اس نے ہنس کر کہا :

"صاحب! ہم تو آپ کے خادم ہیں۔"

اس کے بعد بڑے اصرار سے اس نے جمیل کو روٹی کھلا کر دودھ پلایا اور آرام کرنے کی تاکید کر کے چلا گیا۔

جمیل کو مدّت مدید کے بعد آج حقیقی پیار اور بزرگانہ شفقت کا لطف حاصل ہوا تھا۔

وہ بار بار خدا کا شکر ادا کرتا۔

وہ تکان سے چُور تو پہلے ہی تھا خوشی اور پیار بھرے سلوک نے اس کے دل کو اطمینان و سکون بخشا۔

دوا اور گرم دودھ سے پسینہ آیا۔ طبیعت کافی ہلکی ہوئی اور وہ چین کی نیند سو گیا۔

اور پھر۔

پھر۔ رفتہ رفتہ آرام و سکون کے دن آتے گئے۔

اس کی خستہ حالت تو دوست کی بھیجی ہوئی رقم سے دُور ہو گئی۔ بعد ازاں کچھ دنوں بعد ہی اس کی جائداد وغیرہ کی بازیابی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور ساری بدحالی فارغ البالی میں تبدیل ہو کر اب وہ ایک لکھ پتی رئیس بن چکا تھا۔ اور شاندار ہوٹل میں مقیم تھا۔ تنہا ہونے کی وجہ سے اس نے کوٹھی یا بنگلہ پر ہوٹل کو ترجیح دی تھی۔

٭

گزشتہ ملاقات کے بعد جمیل عزیز سے رخصت ہو کر موجودہ اور گزشتہ حالات پر غور کرتا رہا تھا۔

رات کو دیر تک جاگتا رہا۔

اور اپنے ماضی کی تصویریں یاد کے پردوں پر اس طرح دیکھتا رہا جیسے فلم دیکھ رہا ہو۔ پرانی تلخیوں نے اس کی نیند اڑا دی اور پھر حال و مستقبل کے سکون میں پناہ لے کر میٹھی نیند سو گیا۔

صبح کو اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب عزیز نے اس کے نوکر سے یہ معلوم کر کے کہ وہ سو رہا ہے کمرہ کا دروازہ کھٹکھٹا کر آوازیں دیں کہ :

"میاں صاحب زادے دوپہر ہونے کو آئی اب تو خوابِ ناز سے بیدار ہو جاؤ۔ آخر کب تک سوتے رہو گے ؟"

عزیز کی آواز سے جاگ کر وہ اٹھ بیٹھا اور کمرہ سے باہر آیا۔ عزیز نے اس کو چھیڑنا شروع کیا کہ :

"خیریت ہے رات کہاں گزاری جو اب تک سو رہے تھے۔ میں نے کچی نیند جگا دیا ورنہ خدا جانے کب تک اور سوتے۔"

اس نے ہنس کر کہا :

"ہم بھلا کہاں جانے والے ہیں اور جاتے بھی تو آپ کو خبر ہوتی۔ آپ بھی تو ساتھ ہوتے۔"

عزیز بولا :

"آپ ہمارے ساتھ کب جانے لگے"۔

جمیل نے کہا :

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ نہیں تو میں کس کے ساتھ اور کہاں جاتا ہوں ؟"

عزیز مسکراتے ہوئے کہنے لگا :

"اچھا پہلے جلدی سے غسل خانے سے فارغ ہو جاؤ۔ میں ارادہ کر کے آیا تھا کہ ناشتہ تمھارے ساتھ ہی کروں گا اور رات کی دل چسپ واردات سناؤں گا۔"

جمیل نے انگڑائی لے کر کہا :

"ابھی دو منٹ میں۔"

اور خانساماں کو ناشتہ لانے کے لیے آواز دے کر غسل خانہ چلا گیا۔ اور عزیز برآمدہ میں بیٹھ کر تازہ اخبار پڑھتا رہا۔

تھوڑی دیر میں جمیل آ گیا۔

اور خانساماں نے ناشتہ میز پر سجا دیا۔

دونو دوستوں نے ناشتہ کیا۔ اس دوران میں گفت گو جاری رہی۔ عزیز نے اس کو سنایا کہ :

"رات میرے ہوٹل میں ایک دوست آ گیا اور اصرار کر کے مجھے شیش محل لے گیا وہاں اور کئی دوست موجود تھے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور دور بھی چلتا رہا۔ پھر ہم لوگ تاش کھیلنے بیٹھ گئے۔ وہاں جوڑا ایک دوست کے ساتھ آ گئی اور ہمارے ساتھ وہ دونو بھی تاش کھیلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں دلبر نواز بھی آ گیا

اور اب باقاعدہ برج پارٹی جم گئی۔ پانچ روپیہ پوائنٹ کی بازی ہونے لگی۔ جوڈا اور اس کا ساتھی پارٹنر تھے اور دلبر نواز ایک اور خاتون کے ساتھ پارٹنر بنا۔ باقی ہم لوگ تماشائیوں میں شامل ہو گیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں روپیہ کی ہار جیت ہو گئی۔ اور کھیل زور شور سے جاری رہا۔ اب پانچ روپیہ سے دس روپے پوائنٹ ہو گئے۔ جوڈا کا ساتھی اور دلبر نواز روپیہ لگانے والے تھے شروع میں جوڈا اینڈ پارٹی جیتتے رہے اور جوڈا تالیاں بجا کر قہقہے لگاتی رہی لیکن پھر ایسا پانسہ پلٹا کہ دلبر نواز نے جیتنا شروع کیا اور دس بارہ ہزار جیت لیے۔

دلبر نواز کی ساتھی خاتون کو ہم نے اس سے پہلے کبھی عیش محل میں نہیں دیکھا تھا اس لیے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہیں۔ ہم کئی دوست پہلے سے کھیل میں مصروف تھے کہ اس دوران میں وہ ایک صاحب کے ہمراہ آئیں اور معمولی صاحب سلامت ہیلو ہیلو کے بعد وہ دونو بیٹھ کر کھیل دیکھنے رہے۔ اور جب جوڈا پارٹی کے ساتھ کھیل شروع ہوا تو دلبر نواز نے اس خاتون کو اپنا پارٹنر تجویز کیا۔ وہ بلا عذر مان گئیں اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ جوڈا کے ساتھی کے پاس رقم ختم ہو گئی۔

دلبر نواز نے جیت کی کل رقم اپنی پارٹنر خاتون کے پاس رکھی اور وہ سنبھالتی رہیں آخر کار جوڈا نے اپنے گلے سے ہار اتار کر میز پہ رکھ دیا اور بولی:

"ایک ربر اس ہار کا ہوگا۔ تم لوگ جیتو تو یہ تمھارا — اور ہم جیتیں تو ہم دس ہزار لیں گے۔"

یہ شرط طے پا گئی۔

مگر اتفاق سے جوڈا اینڈ پارٹی پھر ہار گئی اور دلبر نواز نے وہ ہار

اٹھا کر اپنی پارٹنر خاتون کے گلے میں پہنا دیا۔

اس پر جوڑا کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

حاضرین اس کھیل کی دلچسپی سے بے حد محظوظ ہو رہے تھے۔

میں نے اس خیال سے کہ کہیں جوڑا ہارے جواری کی طرح دلبر نواز سے لڑنے نہ لگے منہ کا مزا بدلنے اور محفل میں برہمی پیدا نہ ہونے کے خیال سے وسکی کا آرڈر دیا اور کچھ دیر ہم سب شغل کرتے رہے۔

اس دوران میں جوڑا برابر اپنی مقابل خاتون کو ترش روئی سے دیکھتی اور اپنے ہار کو تکتی رہی۔

جوڑا کا پارٹنر بھی اس ہار سے سخت پریشان معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دلبر نواز سے کہا :

"یہ آپ کی زیادتی ہے کہ آپ نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ مناسب یہ ہے کہ آپ یہ ہار اپنے قبضہ میں رکھیے۔"

اس پر دلبر نے کہا :

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ بھی میرے قبضہ میں سمجھیے۔"

وہ شخص کھسیانا سا ہو گیا۔

اور بولا :

"یہ آپ کا غلط خیال ہے۔ اس طرح تو میرے قبضہ میں سمجھیے۔"

دلبر نے جواب دیا :

"یوں تو یہ اس سے پہلے بھی میرے ہی قبضہ میں تھا۔"

اس شخص نے تلخی سے کہا :

"ہو گا کبھی۔ اب تو میرا قبضہ ہے۔"

ہم ان دونوں کی گفت گو سنتے رہے۔

بہ ظاہر ہار پر بحث ہو رہی تھی۔

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔

جوڑا کا پارٹنر اس ہار کو ہارنے کے بعد یہ بحث کیوں کر رہا ہے۔ دلبر کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے اس کو کام میں لائے۔ یہ ان دونو ساتھیوں کا آپس کا سمجھوتہ ہے۔ اگر دلبر چاہتا ہے کہ اپنی پارٹنر خاتون کو یہ ہار دے دے تو اس پر اس کے مخالف کو اعتراض کا کوئی حق نہ ہونا چاہیے۔

البتہ جوڑا کی برہمی کسی حد تک سمجھ میں آتی تھی کیوں کہ غالباً اس کو یقین ہوگا کہ دلبر نواز اس کا ہار جیتنے پر بھی اسی کو دے دے گا اور ہارنے پر شرط کی رقم تو اس کو اور اس کے پارٹنر کو دینا ہی پڑے گی۔ لیکن اس کی توقع کے خلاف دلبر نواز نے سخت بے رحمی سے کام لیا۔ ہار جیت لینے کے بعد اس پر قبضہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کا دل جلا کر اس کو حد سے زیادہ مایوس کر دیا کہ اس کی مخالف خاتون کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

لیکن میری سمجھ میں اس وقت یہ بات نہ آئی کہ جوڑا کا پارٹنر دلبر نواز کی اس حرکت سے جز بز کیوں ہوا، اور خصوصاً اس عورت کی طرف دیکھ کر اس نے تیوریاں کیوں چڑھائیں۔

لیکن معاملہ یہیں تک نہ رہا۔

جوڑا کے پارٹنر نے جل کر کہا :

"یقیناً اس کھیل میں کوئی بے ایمانی ہو رہی ہے۔ میں آج تک کبھی اس طرح نہیں ہارا۔"

جوڑا بولی :

"اور ہیں آج تک کبھی اس طرح ذلیل نہیں ہوئی ۔ یہ دغابازی کے سوا اور کیا ہے"۔
دلبر نواز کی پارٹنر خاتون نے تیوری چڑھا کر عجب انداز سے جوڈا کو دیکھا۔ اور کہنے لگی :

"یہ کھیل کھیل میں دغابازی کیا لے بیٹھیں ذرا زبان سنبھال کر بات کرو ۔اگر ہار جیت کا اتنا ہی غم تھا تو کھیلنے کی ہمت کیوں کی ؟"

اس پر دونوں طرف سے کچھ ترش کلامی ہوئی ۔

دلبر نے ہنس کر معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی ۔

جوڈا نے تن کر کہا :

"ہمت ہارنے والے کوئی اور ہوں گے ۔ ہم تو جان تک کی بازی لگاتے نہیں ڈرتے"۔

مخالف خاتون نے اکڑ کر جواب دیا :

"یہ بات ہے تو آؤ ! ہم کب ڈرتے ہیں ۔ ایک بازی یہ بھی سہی"۔

دلبر نے اس کی طرف حیران ہو کر دیکھا ۔

اور بولا :

"کیا مطلب ؟ بھئی یہ کون سی بازی ہو گی"۔

مخالف خاتون بولی :

"میری اور جوڈا کی ہار جیت ۔ اس دفعہ جو بازی ہو، اس میں اگر ہم جیتیں تو جوڈا پر ہمارا حق ہے اور اگر یہ جیتیں تو مجھ پر ان کا حق ۔ کہیے منظور ؟"

جوڈا نے سینہ نکال کر ہاتھ مارتے ہوئے کہا :

"منظور !"

لیکن جوڈا کے پارٹنر نے جوش میں آ کر اس میں اتنا اضافہ اور کرنے کا

نعرہ لگایا۔ کہ :

" یہ بازی میرے اور دلبر نواز کے درمیان کھیلی جائے گی اور شرط یہ ہوگی کہ اگر میں جیت گیا تو میری اور ان کی دونو کی پارٹنر پہ بلا شرکت غیرے میرا قبضہ ہوگا اور اگر میں ہار جاؤں تو ان کا اسی طرح دونو پر قبضہ۔ اگر آپ سب کو یہ شرط منظور ہے تو کہیے ہاں۔ اور یاد رکھیے کہ اس کی سختی سے پابندی کرنا ہوگی۔ ہار جیت کے بعد کسی کو اس سے مکرنے کی اجازت نہ ہوگی۔"

تمام حاضرین حیرت سے اس شرط کو سن رہے تھے۔

اچھا خاصا ڈراما کھیلا جانے لگا۔

جوڑا تو "منظور۔ منظور۔" پکارنے لگی۔

لیکن دوسری خاتون نے فوراً کہا :

" یہ کیا بات ہوئی — پہلی شرط ٹھیک ہے۔ میں کسی اور شرط کے لیے نہیں تیار۔ بازی میری اور جوڑا کی ہو رہی ہے۔"

اس پہ بحث ہونے لگی۔

لیکن دلبر نواز نے خاتون کو آنکھ کا اشارہ کیا۔

اور کہا :

" کیا حرج ہے۔ یہ بھی منظور کر لیجیے۔ دیکھا جائے گا۔"

جوڑا نے کہا :

" دیکھا نہیں جائے گا۔ شرط پکی ہوگی۔"

دلبر نے جواب دیا :

" ہاں ہاں۔ قطعی پکی۔"

چنانچہ کھیل شروع ہوا۔

تاش جوڑا بانٹنے لگی۔

میں نے خاص طور پر اندازہ کیا کہ دلبر کی پارٹنر خاتون کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا اور وہ پتّے اٹھاتے ہوئے ان پر نظر ڈال کر بار بار پہلو بدلنی جاتی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سخت گھبرا رہی ہے۔

بہرحال یہ کھیل بڑا ہی عجیب تھا۔

مجھے "مہا بھارت" کا وہ زمانہ یاد آنے لگا جب اُس وقت کے کورو اور پانڈو نے بھی جوئے میں ایسی ہی بازی کھیلی تھی۔

اور پھر —

حیرت انگیز اتفاق یہ ہوا کہ ،

دلبر نواز پھر جیت گیا۔

دلبر نواز کی پارٹنر نے ایک دم کھڑے ہو کر نہایت بے باکی سے ناچنا شروع کر دیا۔

معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کسی ملک پر فتح پا لی ہو۔

ادھر جوڑا کا ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔

دلبر نواز نے جوڑا کی طرف اشارہ کر کے مسکراتے ہوئے کہا :

"جانِ من ! ہم نے حق نبھایا۔ وفا اس کو کہتے ہیں۔"

اور ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب دلبر کی پارٹنر خاتون نے ناچتے ناچتے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر جوڑا کے پارٹنر کو انگوٹھا دکھاتے ہوئے فقرہ چست کیا :

"ڈڈّو ..... ڈڈّو !"

اور پھر بے اختیار ہنسنے لگی۔

جوڈا کھسیانی ہو رہی تھی۔ مگر اس کا پارٹنر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر خاتون کی طرف تھوکتے ہوئے انتہائی نفرت و کراہت سے کہا :

"کمینی — ذلیل — اپنی اوقات پر گئی — میں نے انسان بنانے کی بڑی کوشش کی — مگر بے غیرت کو غیرت کون سکھا سکتا ہے۔" اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

خاتون کو اس کے الفاظ کا کچھ احساس نہ ہوا۔ اس نے پلٹ کر اس کے جاتے جاتے چلّا کر کہا :

"ذلیل تو ہے — بے غیرت، بے حیا، کمینے — میری بدولت عزت دار، اور دولت مند بن کر اتراتا ہے۔"

جمیل اب تک نہایت دلچسپی سے یہ داستان سن رہا تھا۔ دونوں کے سامنے چائے کی پیالی بنی رکھی تھی جو ٹھنڈی یخ ہو گئی اور پینے کا ہوش نہ رہا۔

یہاں پہنچ کر جمیل نے حیران ہو کر پوچھا :

"آخر یہ معاملہ تھا کیا — اور یہ خاتون کون تھی —؟"

عزیز نے سگرٹ سلگاتے ہوئے جمیل کی طرف سگرٹ بڑھایا۔

اور بولا :

"بتا رہا ہوں سنتے جاؤ —"

اور پھر کہنے لگا :

"قصہ یہ تھا کہ یہ خاتون جوڈا کے پارٹنر کی بیوی ہے۔"

جمیل نے حیرت سے کہا :

"بیوی ؟"

عزیز بولا :

"ہاں ہاں - منکوحہ بیوی ۔"

جمیل نے کہا :

"کمال ہے - یہ کیسی بیوی ہے - عجیب بے حیا لوگ ہیں - دونو علیحدہ علیحدہ آئے اور اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس خاتون کا اس شخص سے کوئی واسطہ بھی تھا ۔"

عزیز بولا :

"بھئی تم تو سنی سنائی سے یہ اندازہ کر رہے ہو - ہم لوگ جو اس ڈراما کو بچشم خود دیکھ رہے تھے ہرگز نہ سمجھ سکے کہ یہ دونو آپس میں ایک دوسرے سے واقف بھی ہیں ۔"

جمیل نے کہا :

"تو کیا ان دونوں کے تعلقات پہلے سے کشیدہ تھے ؟"

عزیز نے کہا :

"سنو ! ہم نے بعد میں معاملات کو سمجھنے کے لیے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان دونوں کے تعلقات بہت خوشگوار تھے - کچھ عرصہ سے لوگوں نے دیکھا کہ اس شخص نے جس کا نام ولیم جوزف بتاتے ہیں مسز جوزف کو جو صورت کی حسین ہوتے ہوئے بھی سیدھی سادی تھی اک دم چراغِ خانہ سے شمعِ محفل بنا ڈالا - غیر معمولی بناؤ سنگھار کرنے لگی اور یہاں تک مشہور کیا گیا کہ اس نے اپنے اثر رسوخ اور عیش و آرام کے لیے خفیہ طور پر اونچے محلّوں میں بے تکلف آمد و رفت اور ہر محفل میں شرکت شروع کر دی - اب تھوڑے دنوں سے جوزف کو جوڑا کے ساتھ دیکھا جانے لگا ۔ اور ادھر دلبر نواز سے مسز جوزف کی پینگیں بڑھتی نظر آئیں - کہتے ہیں مسز جوزف

نے جوڈا سے ملنے پر شوہر کی روک ٹوک کرنا چاہی۔ اس نے بیوی کو دلبر نواز کی دوستی کا طعنہ دیا۔ مسز جوزف نے بے تکلف کہہ دیا کہ :

"یہ سب کچھ تمھاری ہی خواہش سے ہوتا ہے۔ اس دلبر نواز سے نہ سہی کسی اور مالدار دلبر کے پہلو میں مجھے بھیجو گے۔ اگر ایک دلبر میں نے اپنی مرضی سے بھی چن لیا تو اس پر تم کیا اعتراض کر سکتے ہو۔ لیکن میں تم کو جوڈا سے ہرگز نہ ملنے دوں گی اور اگر باز نہ آؤ گے تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

— بات بڑھتی گئی۔ اور ان دونوں کے درمیان ناراضی و کشیدگی اس حد تک پہنچ گئی کہ دونو میاں بیوی ایک گھر میں رہنے کے سوا آپس میں ایک دوسرے سے بات تک نہیں کرتے۔ کھانا پینا تک الگ۔ چلنا پھرنا آنا جانا سب الگ الگ ہو گیا، اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی۔"

جمیل نے افسوس اور تعجب کے ساتھ سارا قصہ سن کر کہا :

"تو پھر دلبر نواز کو دونو مل گئیں۔ جوڈا اور مسز جوزف کے درمیان کیا بنی اور پھر ہوا کیا ؟"

عزیز نے مسکراتے ہوئے کہا :

"ہوتا کیا — دلبر نے اس جیت کی خوشی میں بوائے کو آواز دی اور بوتلیں کھلنے لگیں۔ وہ تینوں اور سب حاضرین پینے میں مصروف ہو گئے۔ میں تو تھوڑی دیر بعد اٹھ کر چلا آیا۔ دلبر روکتا رہا مگر میں نے سوچا کہ اب یہ مدہوش ہو کر ساری رات نہیں گزاریں گے۔ علاوہ ازیں جوڈا اور مسز جوزف کی گتھم گتھا ہو گی کیوں کہ ان دونوں میں پہلے ہی سے ٹھنی ہوئی تھی۔ اس کے بعد معلوم نہیں

وہاں کیا ہنگامہ ہوا، اور اب تک کیا کچھ ہو چکا ہوگا۔"

جمیل نے تعجب سے منہ پھیلا کر پوچھا:

"عجیب واقعہ ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آخری شرط کا مطلب کیا تھا اور اس سے کیا نتیجہ نکالنا چاہتے تھے؟"

عزیز نے قہقہہ لگا کر کہا:

"واہ میرے یار! تمھاری بھی وہی مثل ہے کہ ساری داستان سن کر بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ عذرا ہیرو تھا یا ہیروئن؟ میرے بھائی! یہ شرط پہلے جوڈا نے اس لیے تجویز کی تھی کہ دلبر نواز اس پر آمادہ نہ ہوگا لیکن مسز جوزف نے فوراً یہ سوچ کر منظور کر لی کہ اگر دلبر نواز جیت گیا تو جوڈا جوزف سے جدا ہو جائے گی اور جوزف جیت گیا تو وہ خود جوزف کے حصہ میں آ کر جوڈا کو اس سے چھڑا دے گی جوزف نے اس پر جو اضافہ کیا اس کا حال بالکل ایک ہارے ہوئے جواری کا تھا جو سمجھ رہا تھا کہ بیوی کو تو پہلے ہی سے ہارا ہوا ہے۔ جوڈا چند دن اس کے ساتھ رہ سکتی ہے اس کا پیسہ ختم ہوتے دیکھ کر چلتی پھرتی نظر آئے گی اس لیے جس طرح ہو اسی بہانہ ہار جیت میں یک طرفہ فیصلہ ہو جائے اور اس طریقہ سے اگر وہ جیت جائے تو اس کی ہاری ہوئی دولت مسز جوزف اس کو واپس مل جائے گی لیکن اس وقت دلبر نواز کے ہاتھ تھا۔ وہ ہر بازی میں جیتتا ہی چلا گیا۔ لیکن انجام نظر آتا ہے کہ اب وہ بہت کچھ ہارے گا۔"

جمیل نے پوچھا:

"وہ کیوں؟"

عزیز نے جوڈا اور مسز جوزف کی کشمکش، ان دونوں کے چال چلن اور دلبر نواز کے ساتھ موجودہ حالات میں دونوں کے ساتھ مشترکہ تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے

اپنا خیال ظاہر کیا کہ :

"اگر دونو عورتیں آپس میں مل گئیں جن کی فطرت سے عین ممکن ہے تو میاں دلبر نواز کی ساری دلبری اور شان وشوکت نیلام کر کے رکھ دیں گی۔"

اس کے بعد دونو نے دوبارہ گرم چائے منگوا کر پینا شروع کی۔

عزیز نے کہا :

"آج رات کو عیش محل ضرور چلنا چاہیے۔ کل کی داستان کا بقیہ حصہ آج مکمل ہوگا یہ تماشا دیکھنے کے لائق ہے۔"

جمیل نے معذرت کی۔

مگر عزیز نے اصرار کر کے اس کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ :

"شام کو چلیں گے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر ڈرامے کا آخری منظر دیکھتے ہی چلے آئیں گے۔ یعنی دلبر نواز اینڈ پارٹی کے آتے ہی ان کی کیفیت معلوم کر کے وہاں سے جلدی رخصت ہو جائیں گے اور پھر کہیں چل کر کوئی دلچسپ پکچر دیکھی جائے گی۔"

یہ ہفتہ کا دن تھا۔

عیش محل کی رونق بھی اس رات کو شباب پر ہوا کرتی تھی۔

ویسے عزیز اور جمیل کو آج کل کوئی خاص مصروفیت کسی دن بھی نہ تھی۔ نہ کسی دفتر سے تعلق نہ کوئی کاروباری ذمہ داری۔ انھیں سوائے تفریح اور آرام کے کوئی کام ہی نہ تھا۔

عزیز تو کچھ ہی عرصہ سے لاہور آیا ہوا تھا اور مدّت سے دنیا بھر کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد اکتا کر اب لاہور میں جو اس کا وطن تھا سکونت اختیار کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان دنوں ایک روزانہ اخبار جاری کرنے یا کوئی معقول۔

پبلشنگ ہاؤس قائم کرنے کی تجویز پر غور کر رہا تھا۔

اور —

جمیل بھی سوچ رہا تھا کہ اگر عزیز رضا مند ہو تو وہ بھی اس کے اس کاروبار میں شریک ہو جائے۔

شام کے وقت جمیل اور عزیز جب عیش محل پہنچے تو چند میزوں پہ لوگوں کو الگ الگ بیٹھے چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے پایا۔

یہ دونو بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔

ایک بیرا ان کے پاس آیا۔

عزیز نے اس سے پوچھا :

"کیا معاملہ ہے ؟ آج کچھ رونق نہیں ہے — اور — یہ لوگ باتیں کیا کر رہے ہیں ؟"

بیرے نے کہا :

"آپ نے تو سنا ہوگا — وہ مسٹر جوزف کا قصہ !"

عزیز نے کہا :

"کیا ؟"

اس نے کہا :

"نہیں معلوم آپ کو ! حضور وہ فوت ہو گئے نا"۔

عزیز اور جمیل دونو سن کر حیران رہ گئے۔

بیرا کہتا رہا :

"سنا ہے — خودکشی کر لی"۔

جمیل نے گھبرا کر کہا :

"خودکشی کرلی۔ وہ کیسے؟"

عزیز نے یونہی کہہ دیا:

"بھئی کیسے کیا۔ بس مرگیا بے چارا۔ ظاہر ہے بے عزتی اور صدمہ برداشت نہ کرسکا۔"

بیرا بولا:

"سنا ہے صاب! وہ جوزف صاب اپنا گلا کاٹ کے مرا ہے۔"

اب معلوم ہوا کہ وہاں جو سرگوشیاں ہو رہی تھیں وہ جوزف صاحب کی خودکشی کی باتیں تھیں۔

یہ دونو بھی دوسروں کے ساتھ مل کر اس حادثہ پر خیال ظاہر کرنے لگے۔ سب کو افسوس تھا مگر یہ بھی کہہ رہے تھے کہ:

"جوزف کا اپنا کیا ہوا اس کے سامنے آیا۔"

جمیل نے تائید میں کہا:

"یہ بالکل صحیح ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے الفاظ میں:

"یہ ان کی تہذیب ان کے خنجر سے آپ ہی
خودکشی کرتی ہے۔"

اس بگڑی معاشرت کا یہی انجام ہے۔"

وہ سب آپس میں اسی طرح چہ میگوئیاں کرتے رہے۔

اتنے میں پولیس کے افسران آپہنچے اور جوزف و مسز جوزف کے بارے میں مختلف معلومات حاصل کرنے میں مصروف ہوگئے۔

ان میں سے کئی افسر مسز جوزف کو پہلے سے اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن یہ ضابطہ کی تفتیش کا معاملہ تھا۔ جوڈا اور مسز جوزف کی ہار جیت کا واقعہ معلوم ہونے

کے بعد دیر تک اس مقام کو دیکھتے رہے جہاں اس رات کو یہ کھیل کھیلا گیا تھا۔ اور نوٹ وغیرہ لکھنے کے بعد ضروری کارروائی مکمل کر کے چلے گئے۔

عزیز اور جمیل کی جوزف سے کوئی ذاتی واقفیت نہ تھی لیکن انسانی ہمدردی کے طور پر ان کو بہت افسوس تھا۔

آج کی شام عیش محل میں خاصی افراتفری اور افسردگی سی رہی۔

ان دونوں نے بے لطفی کا احساس کر کے سینما کا رخ کیا۔

باہر ٹکٹ لینے لگے تو عزیز کو ایک معمر بزرگ اور ان کے ساتھ ایک نوجوان حسین لڑکی نے آ لیا۔ اور گلے شکوے کرنے لگے۔ مرد سے زیادہ خاتون عزیز سے گھل مل کر باتیں کر رہی تھی۔

اور کہہ رہی تھی :

"آپ تو عید کا چاند ہو گئے۔ ملتے ہی نہیں۔ ہمیں بالکل بھلا دیا ہے جیسے کبھی جان پہچان ہی نہ تھی۔"

پھر عزیز نے جمیل سے ان دونو کا تعارف کرایا :

"یہ ہیں خان بہادر احمد بخش اور آپ ہیں ان کی صاحب زادی رضیہ بانو۔ بڑی سلیقہ مند، خوش مذاق اور بلند خیال خاتون ہیں یہ۔"

اور رضیہ بانو نے جمیل کو رسمی سلام کر کے اس کا شکریہ ادا کیا کہ :

"آپ کی بدولت آج عزیز سے یہاں ملاقات ہو گئی ورنہ انھوں نے تو ہمیں بالکل فراموش کر دیا ہے۔"

اس کے بعد کچھ دیر ٹکٹ کی خریداری پر اصرار و تکرار ہوتی رہی۔

عزیز اور جمیل سب کے لیے ٹکٹ خریدنا چاہتے تھے اور رضیہ بانو اور اس کے والد بزرگوار کو چاروں ٹکٹ خود لینے پر اصرار تھا۔

غرض ـ رضیہ بانو عورت ہونے کی حیثیت سے جیت گیئں اور خان بہادر صاحب نے چار ٹکٹ خرید لیے۔

اس وقت بحث میں خاصی دیر ہو چکی تھی۔

جب یہ چاروں اندر پہنچے تو فلم شروع ہو چکی تھی۔ مشکل سے اکٹھے چار نشستیں مل سکیں۔

انٹرول کے وقفہ میں پھر باتیں ہوئیں۔

چائے وغیرہ پر بھی تکلف ہوتا رہا۔

درمیان میں رضیہ اس کے دائیں جانب خان بہادر، بائیں طرف عزیز اور عزیز کے برابر جمیل بیٹھے تھے۔

جمیل تو خاموشی سے فلم دیکھتا رہا لیکن اس کے کان عزیز اور رضیہ کی طرف لگے ہوئے تھے جو فلم دیکھنے کے درمیان برابر کانا پھوسی کیے جا رہے تھے۔

رضیہ زیادہ بول رہی تھی۔

عزیز ہاں ہوں کرتا جاتا۔

جمیل کو اس سے اندازہ ہوا کہ عزیز اس خاندان سے بہت اچھی طرح واقف ہے اور خصوصاً رضیہ سے اس کی خاصی رسم و راہ ہے۔

انٹرول کے وقت رضیہ نے جمیل کو مخاطب کر کے فلم کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ اس وقت جمیل کو یہ اندازہ ہوا کہ رضیہ واقعی سمجھ دار اور باذوق لڑکی ہے۔

وہ اس کے حسن و جمال سے تو پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا اب حسن ذوق کا بھی معترف ہو گیا۔

خان بہادر زیادہ تر خاموش ہی رہے۔ کبھی کبھی کسی گفت گو کے دوران رضیہ کی تائید میں "بے شک" یا سر کی جنبش یا مسکراہٹ کا اظہار کر دیتے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا

کہ وہ صاحب زادی سے بے حد محبت کرتے ہیں اور اس کی لیاقت کا بھی لوہا مانتے ہیں گویا ایسی خوش جمال اور خوش ذوق صاحب زادی کے باپ ہونے پہ فخر کرتے ہیں۔

فلم ختم ہوئی۔

چاروں باہر نکلے۔

تو پھر اصرار ہونے لگا۔

خان بہادر اور رضیہ چاہتے تھے کہ عزیز اور جمیل دونوں ان کے ساتھ جائیں اور کھانا کھائیں۔

اور جمیل سب کو اپنے ساتھ چلنے کو کہہ رہا تھا۔

آخر عزیز کو اس معاملہ میں ثالث بنایا گیا۔ اس نے تھوڑی دیر تذبذب کے بعد فیصلہ کیا کہ :

"اس وقت خان بہادر صاحب کی دعوت قبول کر لی جائے اور کل شام کو جمیل کی طرف سے فلم اور ڈنر کی دعوت ہو"۔

اس پر رضیہ نے قہقہہ لگا کر تالیاں بجائیں۔

جمیل رضیہ کے اس طرح خوش ہونے سے خوش ہو گیا۔

اور یہ سب خان بہادر کی کوٹھی کو روانہ ہو گئے جہاں رات کو ایک بجے تک لطف و مدارات کے ہنگامے بپا رہے۔

رضیہ بانو رونقِ بزم بنی کھانے کے دوران بھی باتوں کے گلزار کھلاتی رہیں بعد ازاں اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔

رضیہ یہ جان کر بے حد خوش تھی کہ جمیل ادیب اور مصنّف ہے اور جمیل اس کی باتوں سے یہ اندازہ کر کے کہ وہ ایک خوش ذوق تعلیم یافتہ خاتون ہے بہت متاثر تھا۔

دوسرے روز شام کی چائے کے لیے عزیز نے سب کو دعوت دی لیکن رضیہ نے جمیل کی پیش کش کو ترجیح دی۔ اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر دونو کو ان کی قیام گاہوں پر چھوڑنے خود گئی۔ خان بہادر نیند اور ضعیفی کا عذر کر کے گھر ہی پر رہ گئے تھے۔

*

خدا کے فضل سے اب جمیل کو ہر طرح کی فراغت حاصل تھی۔

بقول شخصے :

"دولت میں کھیلنے کے قابل تھا"

بڑے ٹھاٹھ سے نشاط ہوٹل میں مقیم تھا۔ بیرے خانسامے اس کی خدمت گزاری کو بلکہ مالکِ ہوٹل تک حکم کا منتظر خاطر مدارات کے جملہ سامان مہیا کرنے کی فکر میں رہتا شب و روز بڑے آرام سے گزر رہے تھے۔ اور پچھلی مصیبتوں کا زمانہ خواب و خیال ہو چکا تھا۔

لاکھوں روپے اس کے قبضہ میں۔

دوست احباب کے ساتھ صبح و شام تفریحات میں بسر ہوتی۔

اس نے جو ناول لکھا تھا اور اب تک شہرت نہ ہونے کے سبب کسی پبلشر نے اسے چھاپنے کی حامی نہ بھری تھی یہ مسودہ اس کے پاس تھا۔

یوں تو جمیل ہر طرح آرام سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن کسی قسم کی بے راہ روی اور لا ابالی پن اس کی طبیعت میں داخل نہ ہونے پایا تھا۔

جوئے اور شراب سے اس کو جو پہلے نفرت تھی اب دولت مند ہونے کے بعد بھی اسی طرح قائم تھی۔

اس نے سوچا :

کیوں نہ ادبی عیاشی پر کچھ رقم صرف کر ڈالوں اور جس ناول کے مسودے کو

مفلسی کے زمانہ میں در در لیے پھرتا رہا اور آخری بار جس کی قیمت بیس روپے ملنے لگی تھی اسی پبلشر کو دے کر کہوں (جس نے بڑی حقارت سے بیس روپے پیش کر کے حاتم کی قبر پر لات ماری تھی) کہ یہ کتاب میرے صَرف سے چھاپ کر اپنے کتب خانہ سے شائع کرے اور اس کی اشاعت پر جو لاگت بھی آئے وہ مجھ سے لے۔

گویا یہ ایک طرح کا انتقام تھا جو اپنی دانست میں وہ اس پبلشر سے لینا چاہتا تھا۔

چنانچہ یہ ارادہ کر کے اس نے اس سلسلہ میں اپنے عزیز دوست عزیز سے مشورہ کیا جسے وہ ہم صفت موصوف اور اسم بامسمیٰ ہستی سمجھتا تھا۔

عزیز نے اسے سمجھایا کہ :

"یہ بات میرے خیال میں فضول ہے کیوں کہ اتنی رقم جو تم کتاب چھپوانے میں صَرف کرو گے بے کار جائے گی۔ اگر اسی رقم کو لوگوں کی دعوتیں کرنے میں خرچ کر دو، تو بہت سے بڑے بڑے لوگوں سے تمھاری دوستی استوار ہو جائے گی جو کبھی وقت پڑنے پر کام آئے۔ کتاب شائع کر کے چند روز کی واہ واہ ہو گی اور اس کے بعد لوگ بھول جائیں گے۔ اردو زبان تو بے چاری ابھی کس مپرسی کی حالت میں ہے اس کے ادیبوں اور مصنّفوں کو کون پوچھتا ہے۔ ایک ہزار کتاب چھپتی ہے برسوں میں مشکل سے فروخت ہو پاتی ہے۔ وہ بھی اگر مصنّف بے چارا بڑا خوش نصیب ہو، ورنہ کون خریدتا ہے۔ یہاں تو مانگے تانگے کے برتن لے کر لوگ گھر چلاتے ہیں۔ اس ملک میں مصنّف ہونا کوئی فخر اور عزّت کی بات نہیں۔ دوسری زبانوں کی کتابیں سال بھر میں لاکھوں کی تعداد میں چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ ملکوں ملکوں بکتی ہیں۔"

مگر جمیل کا مقصد تو ہر طرح اس کتب فروش سے انتقام لینا تھا۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس کے ناول کی ملک میں غیر معمولی شہرت ہو گی۔ اس لیے

وہ عزیز سے اس رائے میں متفق نہ تھا۔

عزیز نے اسے بضد دیکھ کر یہ بھی کہا کہ :

"اگر شہرت ہی چاہتے ہو تو ایک نہایت مخش رومانی قسم کا ناول لکھ کر چھپوا لو۔ دھڑا دھڑ فروخت ہوگا اور حد سے زیادہ مشہور۔"

مگر جمیل کی سنجیدہ طبیعت نے اس لغویت کو قبول نہ کیا اور عزیز سے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے تمھاری دوستی عزیز نہ ہوتی تو اس نو عنیب کے بعد میں تم سے تعلقات ہی منقطع کر لیتا۔ لیکن مجھے تم سے جو وابستگی ہے اس سے مجبور ہوں۔

آخر عزیز کو اپنی رائے واپس لے کر خاموش ہونا پڑا۔ اور جمیل اپنے اس فیصلہ پر اٹل رہا کہ وہ اپنا ناول ضرور شائع کرے گا۔

اس نے اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسی پبلشر سے ملاقات کی۔ اور جب اس پبلشر کو یہ علم ہوا کہ جمیل اب پہلے کی طرح مفلس و قلاش ناول نگار نہیں ہے۔ وہ روٹی کمانے کو کتابیں نہیں لکھتا بلکہ وہ ایک لکھ پتی رئیس ہے۔ اور بڑے سے بڑے کتب خانے کو خود خرید سکتا ہے۔

تھوڑی بہت بات چیت کے بعد جب پبلشر کو معلوم ہوا کہ جمیل اپنا ناول اس کی معرفت شائع کرانا چاہتا ہے اور اس کی لاگت بھی ادا کرنے کو تیار ہے تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اور اس نے جلدی سے ناول کا مسودہ الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا۔

ساتھ ہی نوکر پر زور زور سے چیخنے چلاّنے لگا کہ :

"تم بڑے بدتمیز ہو۔ دیکھ رہے ہو، اتنے بڑے ادیب ناول نویس ہمارے کتب خانہ میں آئے ہیں اور تم چپ چاپ بیٹھے ہو۔ جمیل صاحب کی کچھ خاطر مدارات نہیں کرتے۔"

جمیل اس بات سے دل ہی دل میں مسکرانے لگا اور چند روز پہلے اور آج کے برتاؤ کا اندازہ کر کے اس کو اپنی سوچی ہوئی تجویز سے بڑی خوشی ہوئی کہ آخر اس نے انتقام لے ہی لیا۔

چنانچہ ذرا سی دیر میں نوکر قریب کے ریسٹوران جا کر وہاں سے چائے پیسٹری کیک وغیرہ لے کر آیا۔

اور جمیل کے انکار کے باوجود پبلشر صاحب نے بڑے اصرار سے جمیل کی تواضع کی۔ اور مجبور کر کے چائے پلائی۔

اس پر جمیل نے کہہ بھی دیا کہ :

" صاحب! میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں آپ کے پاس اس سے پہلے بھی آچکا ہوں۔ اس خاطر مدارات اور تکلف کی کیا ضرورت ہے۔"

اور پبلشر یہ سن کر اس کا مطلب سمجھ گیا کہ وہ اسے اس کے پچھلے بُرے سلوک کا طعنہ دے کر شرمندہ کرنا چاہتا ہے،

کہنے لگا :

" جمیل صاحب مجھے تو بالکل یاد نہیں کہ آپ اس سے پہلے میرے پاس کبھی تشریف لائے تھے۔ ممکن ہے کسی اور جگہ گئے ہوں۔ آپ کو شاید دھوکا ہوا ہے ورنہ میں تو اس وقت بھی آپ کی ہر خدمت کرتا۔ بھلا آپ جیسے بے مثال سنجیدہ ادیب ہمارے کتب خانہ پر کب آتے ہیں اور میں تو ادیبوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آجکل کا زمانہ ویسے بہت خراب ہے جسے دیکھو پبلشر بنا بیٹھا ہے۔ بہت سے دفتری، کاتب اور ہمارے کل کے ملازم بھی پبلشر بن گئے ہیں۔ بھلا وہ ادیبوں کی کیا قدر کر سکتے ہیں۔ مجھے تو آپ کی تشریف آوری پر فخر ہے۔ وہ جو مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎ :

"کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔"

جمیل یہ باتیں سن سن کر ہنسی سے بے تاب ہو رہا تھا مگر ضبط کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ کاش اس وقت اس کے ساتھ عزیز بھی ہوتا اور وہ اس فرق کو دیکھتا کیونکہ وہ تمام پبلشروں کی بدسلوکی اور اپنی رسوائی کا حال جو اسے ناول کو لے کر دربدر پھرنے میں ہوئی تھی پہلے سنا چکا تھا۔

بہرحال اس خاطر مدارات اور تکلفات کے بعد جمیل نے اصل معاملہ کی گفت گو کی۔ اور پبلشر سے ناول کا تخمینہ تیار کرنے کو کہا۔

اور یہ خواہش ظاہر کی کہ:

"میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب ایک ماہ کے اندر شائع ہو جائے۔"

اس پر پبلشر نے کہا:

"آپ بالکل بے فکر رہیے۔ اور تخمینہ کیا آپ جس طرح فرمائیں گے ہو جائے گا انشاءاللہ یہ ناول نہایت شان و اہتمام سے شائع ہو گا۔ اور یہ اتنا مقبول ہو گا کہ مہینہ بھر میں کئی ہزار جلدیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جائیں گی اور ایک ماہ تو کیا ہفتہ بھر میں تیار ہو سکتا ہے۔"

جمیل نے مسکرا کر کہا:

"مگر صاحب میں تو ابھی اس میدان میں نووارد ہوں بھلا مجھ جیسے بے نام مصنف کو کون پوچھے گا؟"

اور پبلشر صاحب نے بھی اس کتاب کی ہزاروں خوبیاں بیان کر ڈالیں۔ جمیل حیران تھا کہ ذرا سے فرق نے اس شخص کے سلوک میں کس درجہ تفریق پیدا کر دی ہے بلکہ اسے گمان ہونے لگا کہ ممکن ہے اس شخص کے قول کے مطابق مجھے مغالطہ ہوا ہو۔ یہ وہ پبلشر نہیں ہے جس کے پاس میں پہلے اپنی

کتاب لے کر آیا تھا۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس کی دوکان کے ہر گوشہ کو غور سے دیکھا۔ پھر اس کو پہچاننے کے لیے اس کے ہر انداز اور آواز پہ غور کیا اور نتیجہ میں اسے اپنی یادداشت پر یقین کرنا پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ساری تبدیلی دولت کی ہے، اور کچھ نہیں۔

کچھ دیر بعد پبلشر نے حساب کتاب کر کے ناول کی عمدہ طباعت کا تخمینہ جمیل کے روبرو پیش کر دیا۔

یہ کتاب تقریباً چار سو صفحات کی تھی اور اس پر جو لاگت آنا تھی اس کا تخمینہ چار ہزار روپے تھا۔

جمیل نے بغیر سوچے سمجھے دو ہزار روپے کے بیس سبز نوٹ پبلشر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا:

"لیجیے! کام شروع کرائیے۔ کتاب نہایت اعلیٰ چھپنا چاہیے خواہ چار کے پانچ ہزار خرچ ہو جائیں۔ روپے کی پرواہ نہ کریں اور ایک مہینے کے اندر اندر مارکیٹ میں آجائے۔"

پبلشر نے مسکراتے ہوئے آنکھیں پھاڑے نوٹوں کی گڈی ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا:

"جمیل صاحب آپ بالکل فکر نہ کریں۔ یہ کتاب ایسی اعلیٰ چھپے گی کہ لوگ حیران رہ جائیں گے۔ اور چند روز میں تو اخباروں میں بس اسی کتاب کی دھوم ہو گی۔ اور آپ تو سیدھے سادے ادیب ہیں آپ کو معلوم نہیں کئی اور طریقے کتاب کی شہرت کے ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے وہ سب کچھ کر کے ہم بہت جلد آپ کا نام آسمان پر پہنچا دیں گے۔ اس کے لیے ایک دو ہزار روپے

کا خرچ اور ہوگا۔"

جمیل نے کہا :

" دو نہیں چار اور سہی ، مگر آپ کے خیال میں یہ کتاب خود اس قابل نہیں کہ لوگ اسے پڑھ کر پسند کرلیں بلکہ دوسرے ذرائع سے مشہور کرانا ہوگی؟"

پبلشر بولا :

" نہیں جناب ! کتاب میں بڑی جاذبیت ہے۔ اور خود آپ کی شخصیت میں بھی۔ لیکن اس زمانہ میں اچھے سے اچھے ناول اور ہر قسم کی کتاب کو عموماً لوگ اسی وقت پسند کرتے ہیں جب اس کی اور مصنّف کی شہرت سنتے ہیں اس لیے اس قسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرحال آپ کو اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب باتیں ہم خود کرلیں گے۔"

جمیل نے کہا :

" خیر اب آپ جانیں آپ کا کام۔ میں تو ایک ماہ بعد کتاب چھپی ہوئی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور جو رقم مزید چاہیے لگاتے رہیے میں بھیجتا رہوں گا۔"

جمیل نے اپنی قیام گاہ (ہوٹل) کا پتہ دیا۔

اور رخصت ہوا۔

راستہ بھر وہ آج کی اور پچھلی دونوں ملاقاتوں کا خیال کر کے اور پبلشر میں اپنے تعلقات میں تبدیلی دیکھ کر حیران ہوتا رہا۔

ہوٹل پہنچا۔

تو عزیزہ اس کا منتظر تھا۔

اس نے عزیزہ کو اپنے پبلشر کے پاس جانے کا مفصّل حال سنایا۔

عزیزہ نے کہا :

"جمیل صاحب! آپ ابھی دنیا کو دیکھیں گے۔ یہ تو معمولی بات ہے اور ان پبلشر بے چاروں کا کیا قصور۔ یہ تجارت پیشہ لوگ ہیں انھیں تو مشہور کتابوں اور مشہور مصنّفوں کے نام سے پیسے ملتے ہیں۔ اگر یہ اس طرح ہر کسی کی کتاب چھاپتے رہیں تو تجربہ بہ تجربہ ہی ہیں دیوالیہ ہوجائیں لیکن آپ نے بھی خواہ مخواہ چار پانچ ہزار روپے برباد کرنے کا ارادہ کیا۔"

جمیل کو عزیز کی اس بات پر تعجّب ہوا۔

اس نے کہا:

"یہ روپیہ کی بربادی ہے؟"

عزیز نے اس کی بات کو آگے بڑھنے سے روک کر کہا:

"آپ یہی کہیں گے نا کہ یہ سب کچھ شہرت کے لیے کر رہے ہیں۔ تو شہرت کے اور بہت سے طریقے ہیں اگر آپ مشہور ہونا ہی چاہتے ہیں تو اس سے کم پیسے میں اس سے زیادہ شہرت ہو سکتی ہے۔ اور آپ کے ادبی شوق کی بھی تکمیل ہو جائے۔"

جمیل نے کہا:

"مثلاً" کیوں کر؟"

عزیز نے کہا:

"کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً شہر میں ریڈیو اسٹیشن ہے اس کے چند افسروں، پروگرام کے انچارج صاحبان سے دوستی پیدا کریں ان کی خاطر مدارات اور دو چار پارٹیوں پر کچھ خرچ کر ڈالیں۔ مہینے میں دو ایک تقریریں اور ڈرامے وغیرہ کے پروگرام مل جائیں گے۔ دیکھو پھر کیسی شہرت ہوتی ہے اور کچھ نہ کچھ ہاتھ بھی آتا رہے گا۔ اسی طرح چند اخباروں کے آڈیٹروں سے دوستی گانٹھو، ان کی دعوتیں کرتے رہو۔ وہ تمھاری ریڈیو کی تقریروں اور دوسرے پروگراموں کی تعریفیں

کریں گے۔ وہ شہرت ہو گی کہ ہر جگہ تم ہی تم نظر آ ؤ گے۔"

جمیل عزیز کی باتیں غور سے سنتا رہا۔

اور آخر میں اس نے کہا:

"جو کچھ آپ نے کہا وہ بھی کر لیا جائے گا لیکن میں ابھی اس قسم کی سستی شہرت کا قائل نہیں۔ پہلے تو میں اپنا وہ ناول شائع کرا دوں جس کی نسبت میرا خیال ہے کہ اس کی اشاعت سے میں ایک سنجیدہ ادب کا نمونہ پیش کر رہا ہوں اس سے میرے ذوق کی تسکین ہی نہیں ہوتی۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین کو ایک اچھی اور مفید چیز بھی پڑھنے کو ملے گی۔"

عزیز نے اندازہ کر لیا کہ جمیل ہر قیمت پر اپنی کتاب شائع کر کے رہے گا۔ چنانچہ اس نے اس سلسلہ میں مزید بحث مناسب نہ سمجھی اور دوسری باتیں کرنے لگا۔

اسی دوران میں شام کے پروگرام پر بحث ہوئی۔ اور عزیز نے ایک کوٹھی کا ذکر کیا جو فیروزپور روڈ پر واقع تھی اور فروخت ہو رہی تھی۔

جمیل نے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ:

"میں ابھی اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا۔ کوٹھی خریدوں تو اس کے لیے سامان بھی ہو۔ پھر نوکر چاکر سب ہی بکھیڑا مول لیا جائے۔"

لیکن عزیز نے جب اسے بتایا کہ:

"یہ کوٹھی رضیہ کے باپ خان بہادر صاحب کی ہے اور اس میں رضیہ کی پیدائش ہوئی تھی۔"

تو وہ نہایت غور اور دلچسپی سے اس کوٹھی کے حالات دریافت کرنے لگا۔

عزیز نے کہا:

"کوٹھی تو تم نے دیکھی ہے اس کا تو باغ ہی صرف اتنی قیمت کا ہے جتنے میں

یہ کوٹھی مع باغ فروخت ہو رہی ہے یعنی کل ایک لاکھ بیس ہزار روپے میں۔"

جمیل نے کہا :

"واقعی، اس قیمت میں تو یہ کوٹھی مفت ہے مگر خان بہادر اسے کیوں فروخت کر رہے ہیں ؟"

عزیز نے کہا :

"اصل میں یہ رضیہ کے دادا کی ملکیت تھی۔ خان بہادر کو ورثہ میں ملی تھی۔ لیکن ان کے والد مرحوم نے جتنی جائداد چھوڑی اس سے زیادہ قرض بھی تھا جو بیچارے خان بہادر کسی نہ کسی طرح ادا کرتے رہے۔ اب مجبور ہو کر قرض کی ادائیگی اور گزر بسر کے لیے کوٹھی بیچنے کی نوبت آ گئی۔ پرانے رئیس ٹھہرے۔ پرانی وضع داری بھی قائم رکھنا ضروری ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں تم کو اس موقع سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے۔"

جمیل نے کہا :

"بھئی یہ تو خود غرضی ہے کہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میں ان کو یہ رقم لبطور قرض کیوں نہ دے دوں تاکہ وہ اس بار سے سبکدوش ہو جائیں اور موروثی جائداد سے بھی محروم نہ ہوں۔"

عزیز نے کہا :

"یہ تو حماقت ہے۔ نہ جان نہ پہچان۔ تم اتنی بھاری رقم قرض دے دو تو کس اعتبار پر ؟ اور پھر اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہو گی ؟ ان کے پاس اب اور کوئی جائداد یا آمدنی نہیں جس سے وہ قسط وار بھی قرضہ کی رقم ادا کر سکیں۔ اسی لیے یہ کوٹھی فروخت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔"

جمیل بولا :

"اور میں ان کی اس مجبوری سے فائدہ اٹھانے کو آمادہ ہو جاؤں؟"

عزیز نے کہا :

"یار تم بھی عجیب آدمی ہو۔ بھلے مانس اس میں کون سی برائی ہے۔ دنیا میں جو موقع سے فائدہ اٹھانا نہیں جانتے ان سے موقع انتقام بھی لیتا ہے۔"

جمیل بولا :

"عزیز تم جانتے ہو میں موقع شناس اور اس قسم کا مطلبی انسان نہیں ہوں۔ میں ایسی دنیا سازی نہیں جانتا۔"

عزیز نے کہا :

"یہ تم غلط کہہ رہے ہو۔"

جمیل بولا :

"کیا مطلب ؟ یعنی میں تمھارے خیال میں خود غرض مطلبی ہوں۔"

عزیز نے جواب دیا :

"میں نے کب کہا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چند روز پہلے تم جو کچھ تھے وہ تمھیں معلوم ہے اب یہ موقع ہے جس نے تم کو اچانک دولت مند کر دیا اگر تم اس کلیم وغیرہ سے فائدہ نہ اٹھاتے تو کیا ہوتا وہی مفلس کے مفلس رہتے۔"

جمیل نے کہا :

"تو میں نے خود غرضی یا فریب سے کلیم حاصل نہیں کیا۔ دھوکے یا مکر سے میں دولت مند نہیں بنا۔ اپنے جائز ورثہ کا معاوضہ بطور حق حاصل کیا ہے۔"

عزیز بولا :

"بھائی میرے میں نے کب تم کو خود غرض یا مکّار کہا۔ یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ جو لوگ موقع کو ہاتھ سے گنوا دیتے ہیں وہ دھوکا کھاتے ہیں اور اپنا جائز حق بھی

کھو بیٹھتے ہیں۔ تم نے اپنا حق حاصل کیا لیکن اسی حالت میں کہ جو موقعہ اس کے حصول کا ملا تھا اسے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اگر اسی طرح حیلہ و تکرار یا جائز ناجائز کی بحث میں پڑے سوچتے رہتے تو اس موقعہ سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور جائز حق بھی نہ پا سکتے۔"

جمیل بولا :

"یہ ٹھیک ہے۔ مگر اس قسم کی سستی جائداد خریدنا میرے نزدیک ناجائز فائدہ اٹھانا ہے جسے میں EXFLOITATION سمجھتا ہوں۔"

عزیز نے کہا :

"یہی تو کہتا ہوں کہ یہ تمھاری نادانی ہے۔ بازار میں ایک چیز بک رہی ہے۔ جن داموں مل رہی ہے وہ اس کی اصل قیمت سے بہت کم ہیں۔ اس سستی چیز کو کسی دوسرے گاہک کی نظر پڑنے سے پہلے سستے داموں خرید لینا نہ خود غرضی ہے نہ ناجائز فائدہ اٹھانا جسے تم EXFLOITATION سمجھ رہے ہو۔"

جمیل بولا :

"ایک بات یہ بھی ہے کہ میں سیلانی آدمی آج یہاں کل وہاں۔ کوٹھی بنگلے کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہتا۔"

عزیز نے ہار مانتے ہوئے کہا :

"یار تم اس وقت فضول منطق میں پڑ گئے ہو جس کی دلیل خود تمھارے پاس کوئی نہیں۔ جانے دو۔ تم نہ خریدو گے کوئی اور خرید لے گا۔ مجھے کیا۔ میں کوئی خان بہادر کا ایجنٹ تھوڑی ہوں جو خواہ مخواہ تم سے فضول بحث کر کے تم کو اس کی خریداری کے لیے مجبور کروں۔"

عزیز کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر جمیل کچھ سہم سا گیا۔ ساتھ ہی وہ یہ سوچ کر

شرمندہ بھی ہوا کہ واقعی عزیز ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگر میں اس کوٹھی کو خرید لوں تو اس کا کون سا ذاتی فائدہ ہے۔ وہ تو میرے ہی فائدے کے لیے کہہ رہا ہے میرا خیر خواہ دوست ہے اور میں اس سے بے کار بحث کر رہا ہوں۔

عزیز نے گفت گو کا رخ ہی کچھ ایسا اختیار کیا کہ جمیل کو اپنی کج بحثی پر شرمسار اور اس کی خیر خواہی کا قائل ہونا پڑا۔

عزیز نے جمیل کے بشرہ سے اندازہ لگا لیا کہ وہ لاجواب ہو چکا ہے اور جلدی سے اپنی گفت گو کا پہلو بدل کر کہنے لگا:

"جمیل! میں نے تم سے اس کوٹھی کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ خان بہادر شریف خاندانی آدمی ہیں۔ ان کی اکلوتی نورِ نظر رضیہ نہایت حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ خوش ذوق اور تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ یہ لوگ اس وقت قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے پریشان حال ہیں۔ اگر یہ کوٹھی تم نے خرید لی تو انھیں اپنی منہ مانگی رقم مل جائے گی اور عزت آبرو کے ساتھ اطمینان و سکون سے فراغت حاصل کر لیں گے اس کے برخلاف اگر معقول گاہک جلد نہ مل سکا تو زیادہ تنگی کی حالت میں کسی ایسے سرمایہ دار کے جال میں پھنسنے پر مجبور ہوں گے جو جائداد پر بھی قبضہ کر لے گا اور ان کی عزت پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے گریز نہ کرے گا اور اس کے معاوضہ میں دھوکے فریب سے تھوڑی بہت رقم دے دے گا جس سے ان کا بار بھی ہلکا نہ ہوگا اور مصیبتوں میں مبتلا الگ ہو جائیں گے۔"

جمیل کے دل پر عزیز کی گفت گو کا ایک ایک لفظ پوری طرح اثر کر رہا تھا۔ وہ اس کی عقل و فراست اور خلوص کا پہلے ہی قائل تھا لیکن اب تو اور بھی زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔

اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب سے اس نے رضیہ کو دیکھا اور اس کے ساتھ

اب تک تھوڑا بہت وقت گزارا تھا اس سے بے حد متاثر ہو چکا تھا اور ایک طرح سے وہ اس کی کمزوری بن چکی تھی۔

اس نے جب عزیز کی باتیں سنیں تو اس کے دل میں خیال آیا کہ:

اگر یہ کوٹھی میں نے نہ خریدی اور کوئی مکّار قسم کا سرمایہ دار ان لوگوں کو پھانسنے میں کامیاب ہو گیا تو عزیز کے قول کے مطابق کوٹھی اور رضیہ دونوں پہ ہاتھ صاف کرے گا۔

جمیل رضیہ کے حسن سے زیادہ اس کی خوش ذوقی اور عادات و اطوار سے مرعوب تھا۔ اس کے دل میں خان بہادر کے خاندانی وقار کی جتنی قدر تھی اس سے کہیں زیادہ رضیہ کے حسنِ ذوق اور طرز و ادا کا قائل ہو چکا تھا۔

اور سمجھتا تھا کہ:

اس انداز کی تعلیم یافتہ اعلیٰ مذاق کی لڑکی ایک مرد کے گھر کو جنّت بنانے کی ضامن ہو سکتی ہے۔ وہ انسان بڑا ہی خوش نصیب ہو گا جن کی قسمت میں ایسی بلند پایہ نازنین کا شریکِ حیات ہونا ممکن ہو۔

تھوڑی دیر گفت گو کے بعد جمیل نے عزیز کی رائے سے پوری طرح اتفاق کرتے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ:

"مجھے یہ کوٹھی ضرور خرید لینا چاہیے۔ نہ صرف یہ سودا سستا ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کے اطمینان و آسائش کی بھی تمام صورتیں نکل سکتی ہیں۔"

اس نے دل میں سوچا کہ:

خان بہادر اس طرح اس بارِ گراں سے سبکدوش ہونے پہ یقیناً خوش ہوں گے اور ساتھ ہی رضیہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو سکے گی۔

عزیز نے اس کا فیصلہ سنتے ہی کہا کہ:

" بھئی میں تو اس لیے بھی کہتا ہوں کہ خان بہادر یہ سن کر کہ آپ ان کی ایک بڑی پریشانی کو دور کرنے کے لیے اس طرح آمادہ ہیں آپ کے شکر گزار ہوں گے۔"

یہ دونوں ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ بیرے نے آ کر جمیل کو ایک لفافہ دیا۔ اور کہا :

" ایک ملازم لایا ہے۔"

جمیل نے جلدی سے لفافہ کھول کر پڑھا۔

اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔

اس نے عزیز کی طرف یہ خط بڑھایا اور اس نے پڑھ کر کہا :

" مبارک ہو "!

جمیل نے کہا :

" آپ کو بھی تو مبارک ہو۔"

عزیز بولا :

" ہمارا کیا ہے ہم تو طفیلی ہیں۔ آپ کے ساتھ ہمیں بھی بلا لیا گیا ہے۔ یوں سمجھو کہ آپ اصل ہیں اور این جانب کی حیثیت سود کی ہے۔"

جمیل نے ہنس کر کہا :

" بہت خوب ! مگر سود بھی تو سود در سود۔ جو اصل سے بڑھ کر ہی ٹھہرے۔"

عزیز نے کہا :

" اب آپ کو بھی سود در سود کے حساب آ گئے۔ کیوں نہ ہو، آخر سرمایہ دار جو ہوئے۔"

جمیل نے کہا :

" جناب بندہ کس لائق ہے۔ یہ سب آپ ہی کی نوازشوں کی بدولت ہے۔"

دونو ہنستے رہے۔

عزیز نے کہا :

"اب خوشی بھیر مناتے رہنا۔ وہ ملازم جواب کے انتظار میں ہوگا۔ بیرے کو بلاکر جواب تو بھیج دو۔"

یہ خط خان بہادر صاحب کا تھا۔

انھوں نے جمیل کو آج رات اپنی کوٹھی پر ڈنر کے لیے مدعو کیا تھا اور عزیز کو ساتھ لانے کی تاکید کی تھی۔

یہ بھی لکھا تھا کہ :

"عزیز صاحب کو ان کے پتہ پر علیحدہ اطلاع بھی دے دی ہے۔ خان بہادر اور رضیہ ان دونوں کے منتظر رہیں گے۔"

عزیز نے اس "دونو" کی تکرار پر جمیل کو مزید مبارک باد دی کہ :

"مرے یار تمھارا تو وہی معاملہ ہے کہ چپڑی اور دو دو۔ آج کا ڈنر نہایت شاندار بلکہ معنی خیز نظر آتا ہے۔"

جمیل نے اس پر اس کا بھی شکریہ ادا کیا کہ :

"یہ سب کچھ آپ ہی کی عنایت ہے۔"

اور پھر جواب میں دونو کی طرف سے منظوری کا خط لکھ کر خوشنما لفافہ میں بند کر کے بیرے کے حوالے کیا کہ خان بہادر صاحب کے ملازم کو دے دے اور زبانی ہم دونو کا سلام کہہ دے۔

عزیز اور جمیل آج کے ہونے والے ڈنر اور کوٹھی کی خریداری کے سلسلہ میں بصد شوق و مسرت باتیں کرتے رہے۔

جمیل نے تجویز کیا کہ وہ کوٹھی کی قیمت تو ادا کر دے گا مگر بیع نامہ کی

تکمیل سے زیادہ اس کو اس کوٹھی سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ وہ خان بہادر صاحب کو بے گھر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس پر عزیز نے کہا :

"بھئی آپ مالک ہیں اور اب تو آپ کا دوہرا حق ہے۔ مکان آپ کا۔ مکین آپ کے۔ جو آپ کی مرضی ہو کیجیے۔ ہم دخل دینے والے کون۔"

اس طرح یہ دونوں ہنستے اور آپس میں دل لگی کرتے رہے۔

پھر عزیز اٹھ کر چلا گیا۔

اور شام کے لیے تیار رہنے کی تاکید کر گیا۔

حالاں کہ یہ تاکید تو جمیل کی طرف سے ہونی چاہیے تھی کیوں کہ اس کے دل کا معاملہ بھی تھا۔

جمیل کی خوشی واقعی ناقابلِ بیان تھی۔

وہ اس سے قبل بھی خان بہادر کے مکان پر دعوت میں شریک ہو چکا تھا لیکن آج کی مسرت کچھ اور ہی تھی اس کے دل میں رہ رہ کر ایک اشتیاق آمیز خیال آتا، اور گدگدی سی پیدا کر کے اس کے جذبات میں طوفان مچانے لگتا۔

وہ شام کا بے چینی سے منتظر تھا۔

رضیہ کے ملائک فریب حسن و جمال نے اس کے دل پر عجیب اثر کیا تھا۔ پھر اس کی پر شوق ادائیں جن میں کچھ شوخی تھی اور کچھ طمانیت۔ اس کے لیے حد درجہ ولولہ انگیز تھیں۔

آج کی دعوت اس کے لیے سونے پر سہاگہ تھی۔

وہ سوچتا :

یہ ضرور رضیہ نے خان بہادر سے تاکید کر کے اس کی دعوت کی ہے اور اس کے دل میں بھی میرا خیال ہے ورنہ بار بار ملاقات کا موقع نکالنے اور دعوت پر دعوت کرنے کی اسے کیا پڑی تھی۔

آخر اس نے پانچ بجے چار سے فارغ ہو کر تیاری شروع کر دی۔

عزیز نے چھ بجے اس کے پاس پہنچنے کو کہا تھا۔

اس نے بڑے اہتمام سے لباس زیب تن کیا۔

ہر ہر بات میں موزونیت اور نفاست کا لحاظ رکھا۔

اس اہتمام کے باوجود کم بخت وقت ہی نہ گزرتا تھا۔ چھ بجنے کا نام ہی نہ لیتے تھے اس نے اس دوران میں دو بار تو شیو کیا۔ تین چار بار کریم پوڈر سے چہرے کی مالش کی۔ بال سنوارے۔ نکٹائی کی کئی درجنیں سامنے رکھ کر مناسبت کے لیے سوچا۔ یکے بعد دیگرے دس بارہ ٹائیاں نکال کر کھولیں اور باندھیں۔

تین بار بیرے سے چائے منگوائی۔ اور تیاری کی مصروفیت میں ٹھنڈی ہو گئی۔ آخر بمشکل تمام ٹھیک ٹھاک ہو کر عزیز کے انتظار میں برآمدے میں چہل قدمی کرنے لگا۔

اسی درمیان میں اس نے سوچا کہ :

کوٹھی کی خریداری کی بات چیت بھی آج ہی طے کر لینی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کوئی اور خریدار آٹپکے اور بیعانہ دے کر قبضہ جما لے۔

چنانچہ اس خیال سے اس نے میز کی دراز سے چیک بک نکال کر جیب میں رکھ لی۔

اب وہ نکھ سکھ سے درست اور چار آئینہ مسلح ہو چکا تھا۔

چھ بجتے ہی عزیز آتا دکھائی دیا۔

وہ جمیل کو اس سج دھج سے دیکھ کر مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور فقرہ چست کیے بغیر نہ رہ سکا کہ :

"دولھا میاں تیار ہو گئے — براتی حاضر ہیں۔"

وہ کچھ شرما سا گیا۔

اور دونوں ہنستے ہوئے جلدی جلدی نیچے پہنچے اور موٹر کار میں بیٹھ کر خان بہادر کی کوٹھی جا پہنچے۔

خان بہادر نے نہایت گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

لیکن جمیل کی نظریں کسی اور کی متلاشی تھیں اور جگمگاتی کوٹھی کے در و دیوار

پر اداسی تھی۔ کیوں کہ اس کی پُر شوق نگاہیں تو اس شام کے دھندلکوں میں اس صبحِ دل کشا کو ڈھونڈ رہی تھیں جو ساری کوٹھی کو جلوہ زار بنا دے۔

خان بہادر ان دونو کو نہایت گرم جوشی سے ساتھ لے گئے اور ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔

یہاں بھی جمیل کو جمالِ جہاں افروز کی جھلک نظر نہ آئی۔

البتہ آج کوٹھی کی آرائشگی کچھ خاص انداز کی تھی۔

سامانِ آرائش اور ہر قرینہ میں خصوصیت اور ندرت دکھائی دیتی تھی۔

اس سے پہلے جب یہ لوگ اس کوٹھی میں آئے تھے تو ساز و سامان میں مشرقیت اور مغربیت کا مجموعہ تھا لیکن آج تو تمام تر مغربی رنگ غالب تھا۔

یہ لوگ بیٹھ گئے۔

تو تھوڑی دیر بعد خان بہادر کی بیگم اور ان کی ایک عزیزہ شاہینہ ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ مگر جمیل کی نگاہوں کو اب بھی مایوسی رہی۔ اس کے مطلوب کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔

اسے کوفت بھی تھی اور حیرت بھی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ جس کی تمنّا لے کر آئے ہیں وہی جانِ تمنّا غائب ہے۔

ہمیں دعوت کے لیے بلایا اور خود موجود نہیں۔

اسے یہ سوچ کر اور بھی مایوسی ہوئی کہ میرا گمان ہی غلط ہے کہ یہ دعوت رضیہ کے ایما پر کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے خان بہادر نے از خود مدعو کیا ہے اور اسی لیے وہ یہاں نہیں ہے کہ اسے ہم سے کوئی دل چسپی نہیں۔

جمیل کے دل کو اس سے دھکّا سا لگا اور وہ خان بہادر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کچھ اس طرح کھویا کھویا رہا کہ عزیزہ نے اس کی بوکھلاہٹ کا اندازہ

کر لیا۔

بیگم خان بہادر جنھیں تعارف کراتے ہوئے خان بہادر نے عذرا کہہ کر پکارا تھا۔ نہایت باوقار اور حسین خاتون تھیں لیکن عمر رسیدہ ہونے کے ساتھ ان کی صحت بھی کچھ خراب ہی نظر آتی تھی کیوں کہ آنکھوں میں ضعف و نقاہت سے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ رنگ گورا تھا مگر اب ہلدی کی طرح زرد۔ لیکن وضع قطع سے خزاں رسیدہ چمن کی وہ بہار تھیں جو موسمی بے اعتدالی کے سبب رنگ و بُو کو ترس رہی ہو۔

اور بیگم کی عزیزہ جن کو ان کی خالہ زاد بہن بتایا گیا ان سے عمر میں کوئی پندرہ سولہ سال چھوٹی معلوم ہوتی تھیں۔ نہایت خوش شکل و خوش وضع تھیں۔ زیب و زینت اور لباس کی آراستگی نے تو انھیں مجسّم رعنائی بنا رکھا تھا۔

دونوں خواتین نے رسمی تعارف اور سلام کے دوران جمیل کو کم اور عزیز کو زیادہ اپنی حسین توجہ کا مرکز بنایا۔ اور مخصوص ناز و غمزے کے تیور دکھاتی ہوئی ایک طرف بیٹھ گئیں۔

شاہینہ تو گفت گو کے دوران کسی بات میں شرکت بھی کر لیتی لیکن عذرا بیگم مضمحل اور خاموش بیٹھی رہیں۔ البتہ وہ بار بار کن انکھیوں سے عزیز کی طرف دیکھتی تھیں۔

جمیل اس بات پر حیران تھا۔

عزیز جمیل کی پریشانی کا اندازہ کر چکا تھا۔ آخر اس خان بہادر صاحب سے پوچھ ہی لیا:

"مس رضیہ کہاں ہیں؟"

خان بہادر نے جواب دیا:

"ٹینس کھیلنے کلب گئی ہے۔ وہ اس کلب کی سرگرم ممبر ہے۔"

عزیز نے کہا :

"اچھا۔ کسی لیڈیز کلب کی ممبر ہوں گی؟"

خان بہادر بولے :

"جی نہیں ! لیڈیز کلب سے تو وہ بہت گھبراتی ہے۔"

جمیل نے پوچھا :

"وہ کیوں ؟"

خان بہادر نے جواب دیا :

"وہ کہتی ہے چار عورتیں جب بیٹھ جاتی ہیں تو سوائے آپس کے جھگڑے بکھیڑوں اور ایک دوسرے کی برائیوں کے کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ اسے ان باتوں سے سخت نفرت ہے۔"

جمیل نے دریافت کیا :

"تو وہ کلب تنہا جاتی ہیں؟"

خان بہادر مسکرا کر بولے :

"تنہائی سے آپ کا کیا مطلب ؟ کلب میں اتنے لوگ ہوتے ہیں۔ موٹر وہ خود چلاتی ہے۔ گھر سے خود ہی ڈرائیو کر کے کلب پہنچتی ہے آخر اسکول کالج بھی تنہا ہی جانا پڑا ہے۔"

عزیز نے کہا :

"جی ہاں۔ یہ تو بجا ہے لیکن ہمارے ملک میں چونکہ ابھی نوجوان کنواری لڑکیوں کو اتنی آزادی نہیں دی گئی ہے کہ وہ اسکولوں کالجوں کے علاوہ جہاں صرف لڑکیاں ہی ہوتی ہیں مردوں کے دوش بدوش یا ان کی محفلوں میں

تنہا شرکت کریں اسی لیے جمیل نے یہ سوال کیا۔"

اس گفت گو کے دوران عذرا بیگم کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔

خان بہادر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، جیسے وہ عزیز اور جمیل کی اس تنگ نظری کا مضحکہ اڑا رہے ہوں۔

اور کہنے لگے :

"جناب یہ تکلفات اب دنیا بھر سے اٹھ چکے ہیں اور ہمارے ملک کو بھی اٹھانا پڑیں گے اور میں تو کہتا ہوں کہ یہ تکلف نہیں فضول توہمات ہیں ۔ عورتوں کو لڑکپن ہی سے خیال اور رائے کی آزادی ملنی چاہیے۔ ان میں مردوں کی برابر عقل و شعور اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب وہ ہر معاملہ میں ان کی ہمسر سمجھی اور بنائی جائیں۔ اور آخر اس زمانہ میں مردانہ تفریق کی کیا ضرورت ہے۔ عورت مرد سے کس معاملہ میں کم تر ہے۔ آپ نوجوان لڑکوں کو آزادی سے تنہا چلنے پھرنے کی اجازت دیتے ہیں مگر لڑکیوں کو قید و بند میں رکھ کر ان کی ذہنیت کو محدود و مقید کر ڈالتے ہیں۔ لڑکے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں تو لڑکیوں کو بھی اپنی دیکھ بھال خود ہی کرنے کا موقع دیجیے۔ اب آپ غیر ممالک میں دیکھیے عورتوں مردوں میں کہیں بھی فرق ہے ؟ اسلامی ممالک میں میں نے خود دیکھا ہے لڑکیاں اور عورتیں بلا امتیاز عمر ہر جگہ ہر کام میں مصروف نظر آتی ہیں۔ اگر اسلام میں اس قسم کی کوئی پابندی ہے تو ان ملکوں کے اسلام کو ہم کیا سمجھیں ؟"

جمیل نے کہا :

"غیر محتاط مغربی آزادی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں ؟"

خان بہادر نے کہا :

"جی نہیں جناب ! مَیں نے تو مشرقِ وسطیٰ میں ہر جگہ مسلمان عورتوں کو ایک حد تک بے پردہ اور آزاد ہی دیکھا ہے۔"

عزیز بولا :

"آپ نے خود ہی فرمایا کہ ایک حد تک۔ یعنی اسلام نے عورت کو مقید نہیں کیا لیکن اس کے حجابِ نسوانی کے لیے حد ضرور قائم کی۔ اور مغرب جو تمام حدود کو عبور کر کے بے حجابی کے مظاہرہ کو تہذیب و معاشرت کی حدود میں داخل سمجھنے لگا وہاں شرم اور بے حیائی عام ہے جس کے عذاب سے اب وہ لوگ خود بھی تنگ اور بے زار ہیں۔

خان بہادر نے کہا :

"مسٹر عزیز یہ آپ کا خیال ہی خیال ہے بھلا آزادی بھی ایسی چیز ہے جس سے لوگ بے زار ہو جائیں۔ ہماری عورتوں میں عقل و شعور کی کمی محض اس لیے ہے کہ تنگ خیالی نے ہمارے معاشرے میں عجیب بدحواسی اور کاواک پن پیدا کر کے عورتوں کی حیثیت غلامانہ بنا دی ہے اور اسی لیے ہمارے یہاں اسلامی مساوات کا رنگ نظر نہیں آتا۔

جمیل کہنے لگا :

"خان بہادر صاحب ! جہاں تک اسلامی مساوات کا تعلق عورت اور مرد کے مدارج برابر حقوق و فرائض برابر لیکن ہماری معاشرت میں عورت کا جو احترام اور مقام ہے وہ اسے مرد کے مقابلہ میں انفرادی حیثیت دیتا ہے۔ عام طور پر لوگوں نے یہ غلط سمجھا ہے کہ ہم عورتوں کو مقید کرتے ہیں۔ ہم انھیں گھر کی زینت سمجھتے ہیں۔ چراغِ خانہ بناتے ہیں شمعِ محفل نہیں۔ مرد کی دنیا باہر ہے اور

عورت کی اندر۔ عورت کو بیرونی دنیا میں مرد کی رہنمائی کی ضرورت ہے اور ہر کام میں اعتدال برتنے کی۔"

خان بہادر نے کہا :

"جناب والا ! یہ ہماری اسلامی مساوات نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے اپنی مردانہ برتری قائم رکھنے کی غرض سے اپنے آپ کو راہنما قرار دیا ہے۔ ہر انسان وہ مرد ہو یا عورت اس کی اندرونی اور بیرونی دنیا ایک ہے۔ قرآن پاک میں پردے کے بارے میں جتنی آیات ہیں ان میں سے ایک کا بھی یہ مفہوم نہیں کہ عورتوں کو گھر میں جانور بنا کر قید رکھو۔ میں تو حقیقی معنوں میں لڑکیوں کی پوری آزادی کا حامی ہوں یہاں تک کہ انھیں اپنی شادی بیاہ کے معاملہ میں بھی انتخاب کا خود ہی حق ہونا چاہیے۔"

جمیل بولا :

"یہ تو حدِ اعتدال سے بڑھنے والی بات ہے۔"

خان بہادر نے جواب دیا :

"بہر حال میں تو اسی پر کاربند ہوں۔"

عزیز کہنے لگا :

"خان بہادر صاحب یہ مغربی تقلید کا اثر ہے لیکن وہاں بھی لڑکیوں کو محدود آزادی دی گئی ہے۔ ان کی آزاد معاشرت میں لڑکی لڑکے کو پسند تو کر سکتی ہے۔ لیکن اسے اپنے والدین یا سرپرست کی رضامندی ضرور حاصل کرنا ہوتی ہے۔"

خان بہادر بولے :

"بہر حال کچھ بھی ہو لیکن ہمارے ملک میں لڑکیوں پر جو ظلم ہوتا ہے اور جس طرح ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنی مرضی کے مطابق والدین یا سرپرست

اندھے کنویں میں جھونکنے کو اپنا مذہبی یا معاشرتی حق سمجھتے ہیں۔ اس کے تدارک کا یہی علاج ہے کہ لڑکیاں مردوں کے مقابلہ میں پوری طرح آزاد ہوں اور انھیں اپنی اچھائی برائی خود سمجھنے کا حق دیا جائے تاکہ ان کا شعور بیدار ہو۔"

جمیل نے کہا :

"آپ نے لڑکیوں پر ظلم ہونے کا جو ذکر کیا ہے میں سمجھتا ہوں اس زمانہ میں جاہل والدین ایسا کرتے ہوں گے ورنہ عموماً اب یہ حالت نہیں اور معدودے چند لوگوں کے طور وطریق کو کلیہ قرار دے کر ساری قوم اور ملک کو مطعون کرنا درست نہیں۔ ہمارے ملک میں عورتوں کو ہر معاملہ میں معقول آزادی ملی ہوئی ہے اسے ظلم نہیں کہہ سکتے کہ والدین بیٹی کے لیے شوہر کے انتخاب میں خود راہنمائی اور فیصلہ کریں۔"

خان بہادر بولے :

"آپ کو شاید اکثریت کا تجربہ نہیں۔ تعلیم نسواں اور روشن خیالی کے باوجود ابھی ہمارے ملک میں تنگ نظری عام ہے بعض لوگ تو اس قسم کے ہیں کہ چاہے لڑکی کو کیسے ہی دکھ جھیلنا پڑیں، فاقے سے رہنا پڑے مگر اپنی ذات کے باہر کسی دوسرے خوش حال مرد کو بیٹی نہیں دیں گے۔ اپنے قریشی یا انصاری، شیخ یا مغل پٹھان ہونے پر فخر کرنے والے صرف حسب نسب پر جان دیتے اور اپنی بیٹیوں کو بے زبان جانور سمجھ کر اپنی ہٹ پر قربان کر دیتے ہیں۔ ہم نے بہت سے کم ذات لوگوں کی بیٹیاں سونے میں لدی ہوئی اپنے گھروں میں عیش کرتی دیکھی ہیں اور ان کے مقابلہ میں اعلیٰ ذات کے اکثر لوگوں کی بیٹیاں والدین کی غلط ضد کی بدولت فاقے کرتی۔ اور چیتھڑے لٹکائے گھروں میں مصیبت کے دن کاٹتی ہیں۔ اب بتائیے اسلام نے ذات پات کی یہ تمیز کہیں قائم کی ہے۔"

عزیز نے کہا :

"آپ کا یہ خیال درست ہے اسلام اس قسم کی تفریق کا ہرگز قائل نہیں۔"

خان بہادر کہنے لگے :

"یہی نہیں۔ بعض لوگ اپنی پیاری بیٹیوں کو دوشیزگی کے عالم میں دولت کے لالچ سے بڈھے رئیسوں کے پلّے باندھنے سے گریز نہیں کرتے۔ ذرا غور کیجیے پندرہ سولہ برس کی لڑکی اگر کسی ساٹھ ستّر برس کے بڈھے کھوسٹ کی دلہن بن کر رہ جائے تو وہ کس حال میں اپنی پہاڑ سی عمر گزارے گی۔ یہ سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے۔ اسے اپنی نصف سے زیادہ زندگی بیوہ ہو کر بسر کرنی ہوتی ہے اور میاں کی زندگی بھر بھی ان میں سے اکثر کنواری بیوہ بنی نظر آتی ہیں یا آوارہ و بدکار ہو کر ذلّت اور روسیاہی مول لینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ لڑکی کو ایسی بے جوڑ شادی کے موقع پر صاف انکار کی اجازت ہو۔"

جمیل بولا :

"اجازت ہو یا نہ ہو والدین کو خود اس قسم کی جہالت اور بے جا سلوک روا نہ رکھنا چاہیے بلکہ اس معاملہ میں تو قانونی طور پر کوئی پابندی عاید ہونی چاہیے کہ بے جوڑ رشتے ممنوع قرار دیے جائیں۔"

خان بہادر نے کہا :

"ارے صاحب اب تمام معاشرتی امور میں قانون کہاں تک دخل دے گا۔ بہرصورت ان تمام باتوں کو دیکھ کر میں نے شروع ہی سے یہ رائے قائم کی ہے کہ بیٹی کو اس کی اپنی رائے اور مرضی کا پابند ہونا چاہیے۔ وہ اپنی زندگی کی ہر اونچ نیچ کو خود سوچنے سمجھنے کی اہل ہو، اور خصوصاً رشتہ کے معاملہ میں تو اسے پورا پورا حق ہو کہ وہ اپنے ہونے والے شریکِ زندگی کا خود انتخاب کرے۔ ہاں میں اپنی بیٹی

کے سامنے اپنی رائے ظاہر کرنے کا مجاز ہوں کہ جس شخص کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں اس کی نسبت اس سے کہہ دوں کہ اگر وہ مناسب سمجھتی ہے تو اپنا شوہر منتخب کر سکتی ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ ہاں کہے یا نہ؟ میں سمجھتا ہوں جس کو ساری زندگی کسی شخص کے ساتھ بسر کرنا ہے اسے ہر طرح حق ہے کہ وہ خود اس کا انتخاب کرے۔"

جمیل نے کہا:

"یہاں تک تو میں آپ کی رائے سے متفق ہوں لیکن میں اس بات کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ جوان لڑکیوں کو تنہا ہر جگہ گھومنے پھرنے اور آزادانہ ہر کس و ناکس سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ عام محفلوں میں ناچ گانے کے کھلے مواقع حاصل ہوں نامحرموں کے ساتھ کلبوں اور ہوٹلوں میں ناچیں۔ یہ مغربی تہذیب میں پسندیدہ سہی مگر ہماری قومی معاشرت کے لیے معیوب اور ناگوار ہے۔ یہ نئی روشنی دن کے اندھوں کو مبارک رہے۔ ہم مشرقی شرم و حیا کی جہالت ہی کو اپنا زیور سمجھتے ہیں۔"

عزیز بولا:

"اور میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اولاد کو اظہار خیال کی آزادی یقیناً ملنا چاہیے لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ والدین سے بڑھ کر اولاد کا کوئی خیرخواہ نہیں ہو سکتا۔ بے جا ضد اور غرور چھوڑ کر اگر والدین اپنا فرض صحیح طریقہ پر انجام دیں، نادانی، لالچ، اور حرص و طمع کو درمیان میں نہ لائیں تو ناممکن ہے کہ ان کے انتخاب سے لڑکیاں شادی کے بعد تکلیف میں رہیں۔"

خان بہادر یہ سن کر جوابی حملہ کرنے کے لیے تقریر شروع کرنے ہی والے تھے کہ ایک نقرئی آواز نے کمرے میں ترنّم پیدا کر کے سب کو اپنی طرف مخاطب کر لیا، اور جمیل تو ہمہ تن اشتیاق بن کر اس جانب متوجہ ہو گیا۔ اس کے ہوش و حواس پر

تو جیسے بجلی سی گر پڑی کیوں کہ رضیہ اس وقت ٹینس کے لباس میں نیم عریاں اس بے باکی اور بے حجابی سے اک دم اندر داخل ہوئی تھی کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔
جب وہ اندر آئی اور اس کی نظر عزیز پر پڑی تو اس کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔

وہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی :
"آہا۔ زہے نصیب ۔"
مگر ساتھ ہی اس کی نگاہ جمیل پر پڑی۔ اور فوراً جھجک کر اپنی تیوری پر پڑنے والے بل چھپا نہ سکی۔
اس کیفیت کو شاید جمیل نے محسوس نہ کیا ہو۔ عزیز البتہ سب کچھ سمجھ رہا تھا۔

رضیہ نے تکلفاً جمیل سے خطاب کیا :
"اچھا۔ آپ بھی تشریف رکھتے ہیں ؟"
اس جملہ نے جمیل کو احساس دلایا کہ اس دعوت میں اس کی آمد محض ضمنی یا طفیلی کی ہے۔ ورنہ اب تک وہ میر مجلس بنا بیٹھا تھا اور اس مغالطہ میں تھا کہ رضیہ نے اسی کو مدعو کیا ہے۔ عزیز کو تکلف سے بلا لیا ہو گا۔ ذرا دیر کے لیے عزیز اس کی نظروں میں ایک رقیب کی حیثیت اختیار کر گیا مگر اس نے اپنے جذبات کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

اور رضیہ کے جواب میں اس نے کہا :
"جی ہاں آپ کی مہربانی سے یا عزیز صاحب کے طفیل ۔"
رضیہ فوراً تاڑ گئی کہ جمیل نے اس پہ فقرہ چست کیا ہے۔ وہ عزیز کی طرف اپنا متوجہ ہونا ظاہر بھی نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اب اس نے رُخ بدلا۔

اور بولی :

"ہماری خوش نصیبی ہے کہ ملک کے مشہور ادیب اور مصنّف غریب خانہ پر تشریف لائیں۔"

جمیل نے کہا :

"یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔"

رضیہ نے مسکرا کر کہا :

"یقیناً" جمیل صاحب آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔"

عزیز کو فقرہ سوجھا اور اس نے فوراً کہہ دیا :

"آپ کا مطلب ہے ان کا یہاں آنا ان کے لیے خوش قسمتی کا باعث ہے؟"

رضیہ کچھ شرما سی گئی۔

اور کہنے لگی :

"نہیں نہیں۔ بھلا میں ایسی گستاخی کر سکتی ہوں۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ یہ واقعی بڑے خوش نصیب ہیں کہ خدا نے دولت اور شہرت دونوں سے مالا مال کیا ہے۔"

عزیز بولا :

"مگر ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ اپنی خوش نصیبی آپ لوگوں کی ملاقات سمجھتے ہیں۔"

خان بہادر کہنے لگے :

"مسٹر عزیز یہ آپ کی اور جمیل صاحب کی عنایت ہے ورنہ ہم کس لائق ہیں۔"

جمیل نے جواب دیا :

"خان بہادر صاحب آپ ہر طرح لائقِ قدر ہیں۔"

عزیز نے کہا :

"یقیناً ہم تو آپ جیسی لائق ہستیوں کی صحبت میں بیٹھنا اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔"

رضیہ بولی :

"عزیز صاحب آپ گویا ہمیں ان باتوں سے کانٹوں میں گھسیٹنا چاہتے ہیں۔"

خان بہادر نے رضیہ کی تائید کی :

"بے شک، ورنہ آپ جیسا قابل انسان اور مسٹر جمیل جیسے مشہور اور معزز رئیس کا ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجا فرمانا ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی ہے۔"

رضیہ مسکرا کر خاص ادا سے بولی :

"ہم سب اپنی اپنی خوش نصیبی پر ناز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب یہ نہیں معلوم اصل میں قسمت کس پر زیادہ مہربان ہے۔"

جمیل نے کہا :

"جس پر آپ کی نظرِ عنایت ہو۔"

کہنے کو تو جمیل یہ فقرہ بے ساختہ کہہ گیا۔ لیکن عزیز اور رضیہ نے اس کی جانب کچھ اس معنی خیز انداز سے دیکھا کہ وہ ایک دم شرمندہ ہو گیا۔ اور گھبرا کر بات بنانے کے لیے فقرہ تلاش کرنے لگا۔

مگر عزیز نے فوراً دخل انداز ہو کر اس کے الفاظ بھلا دیے۔

عزیز نے کہا :

"مسٹر جمیل نے واقعی درست کہا۔ شعاعِ مہر ہی ایک قطرے کو گہر بناتی ہے۔"

رضیہ نے عزیز کو عجیب انداز سے دیکھا اور ایک ادائے محبوبی سے نظریں جھکا لیں۔

جمیل خاموش بیٹھا رضیہ کی رعنائیوں اور زیبائیوں کا اندازہ کر رہا تھا - وہ آج اس کے حسن و جمال سے پہلے سے بھی زیادہ متاثر تھا -

بیگم عذرا کے چہرے پر ایک رنگ آتا ایک جاتا تھا - وہ نہایت مضمحل انداز میں بیٹھی سب کی باتیں سن رہی تھیں - اور ایک لفظ بھی اس کی زبان سے اس درمیان میں نہ نکلا۔

یہی حال شاہینہ کا تھا لیکن وہ سب کی باتیں سن کر کبھی کبھی چپکے سے مسکرا دیتی تھی۔

خان بہادر جمیل اور عزیز کو غور سے دیکھ لیتے۔

اتنے میں رضیہ مخمور انداز میں انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی اور یہ کہہ کر دوسرے کمرے کی طرف چل دی کہ :

"معاف کیجیے میں ذرا لباس تبدیل کر لوں۔"

اور خان بہادر نے بیگم سے مخاطب ہو کر کہا :

"خانساماں سے کھانے کے لیے کہہ دیجیے۔"

بیگم نے شاہینہ کی طرف دیکھا اور شاہینہ اٹھ کر کھانے کا انتظام کرانے چلی گئی۔

تھوڑی دیر میں سب لوگ کھانے کے کمرے میں لے جائے گئے۔

دعوت کا انتظام نہایت شاندار تھا۔

مشرقی اور مغربی دونوں ہی اقسام کے لذیذ کھانے موجود تھے۔

شاہینہ عزیز کے برابر، رضیہ جمیل کے ساتھ اور بیگم خان بہادر کے پہلو میں بیٹھے تھے۔

کھانے کے دوران خان بہادر اپنی مشرقی و مغربی ممالک کی سیاحت کا ذکر

کرتے رہے۔

عزیز اور جمیل درمیان میں مختلف سوالات کرتے جاتے تھے۔ رضیہ بھی ان کی شریک تھی مگر دونو خواتین اب بھی چپ چاپ رہیں۔

بیگم عذرا تو پرہیزی کھانا ہی کھا رہی تھیں۔ باقی کھانے نہایت لذیذ اور مرغن تھے۔ پھر جمیل کے لیے رضیہ کی قربت نے ان کی لذّت کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے خان بہادر کے خیالات معلوم کر کے تو وہ سوچنے لگا تھا کہ اگر خان بہادر رضیہ کے رشتے کے لیے رضامند بھی ہو جائیں تو اس کے بس کی بات نہیں۔ اس خاندان کی آزادی کا ساتھ دینا اس کے لیے دشوار ہے۔ لیکن ذرا دیر میں رضیہ کو پہلو میں دیکھ کر وہ پھر مسحور ہو گیا اور اس کے دماغ میں بار بار یہی خیال آتا تھا کہ جس انسان کو رضیہ جیسی حسن و جمال کی دیوی نصیب ہو جائے اس کی قسمت جاگ اٹھے۔

رضیہ کبھی جمیل سے کھانے کے لیے اصرار کرتی کبھی عزیز سے۔

ان میں سے ایک کو بھی یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا کہ ہم میں سے کس کی طرف زیادہ ملتفت ہے۔

لیکن جمیل اس خیال سے مست و مسرور تھا کہ وہ نازنین اس کے پہلو کی زینت ہے گو عارضی سہی۔ لیکن وہ اس سے ایک شگون لینے کے منصوبے سوچنے لگا۔ کھانے سے فارغ ہو کر پھر سب لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

عزیز نے اب کوٹھی کے سلسلہ میں بات چھیڑنے کو خان بہادر سے تعریف کی۔ کہ آپ کی کوٹھی نہایت موزوں مقام پر اور وضع قطع میں نہایت شاندار ہے۔

اس پر خان بہادر نے کہا :

"میرے والد صاحب مرحوم نے بڑے شوق سے بنائی تھی اور ہماری رضیہ کی تو جائے پیدائش یہی ہے اسی لیے اس کو کوٹھی کے چپہ چپہ سے بڑی محبت ہے۔ اس نے باغیچہ کی بڑی حفاظت کی ہے لیکن اب حالات سے مجبور ہو کر اسے چھوڑنا پڑ رہا ہے۔"

عزیز نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا :

"وہ کیوں۔ خیریت تو ہے؟"

خان بہادر نے والد مرحوم کے قرضے کا ذکر کر کے کوٹھی فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

عزیز اسی موقع کا متلاشی تھا۔

اس نے جھٹ جمیل کو مخاطب کیا :

"جمیل! تم بھی تو کوٹھی خریدنا چاہتے ہو، اس سے بہتر اور کیا جگہ ہو سکتی ہے۔"

جمیل کچھ کہنا چاہتا تھا۔

کہ رضیہ نے جلدی سے کہا :

"ہاں صاحب اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ اگر آپ کو پسند ہے تو مکان اور مکین دونو حاضر ہیں۔"

جمیل اور عزیز دونو اس بے باکی سے رضیہ کو گفت گو کرتے دیکھ کر کچھ جھجک کے رہ گئے۔

"مکان اور مکین دونو حاضر ہیں!"

کے ذومعنی جملہ نے دونو کو تعجب میں ڈال دیا۔

وہ سوچنے لگے :

کہ ایک شریف نوجوان دوشیزہ والدین کی موجودگی میں اس بے حجابی سے گفت گو کر رہی ہے ۔

جمیل کو کوئی جواب بن نہ پڑا ۔

اور سوچ کر اس نے صرف اتنا ہی کہا کہ :

"جی ہاں ارادہ تو ہے کہ کوئی مکان مل جائے ۔ آخر ہوٹل کی رہائش کب تک ؟"

اور رضیہ نے اس کی بات کاٹ کر خان بہادر کے کچھ کہنے کا انتظار کیے بغیر فوراً کہا :

"بس کارِ خیر میں دیر نہ کیجیے ۔"

اور خان بہادر کی طرف دیکھ کر بولی :

"ڈیڈی بیعانہ لے لیجیے ۔"

عزیز نے ہنس کر کہا :

"بیعانہ کی کیا ضرورت ہے یہ مجسم قیمت جو حاضر ہیں ۔"

جمیل کو اب بولنے کی جرأت ہوئی ۔

اس نے بھی فقرہ چست کیا :

"آپ کی نوازشوں نے تو ہمیں ویسے ہی بے مول خرید لیا ہے ۔"

رضیہ کب چوکنے والی تھی ۔

اس نے جھٹ کہا :

"معاف کیجیے ہم بے مول کوئی سودا نہیں کرتے ۔ یہ بندۂ بے دام وغیرہ تو آپ جیسے ادیبوں کے الفاظ ہیں ۔ ہم تو ہر معاملہ میں نقد قیمت کے قائل ہیں کیوں ڈیڈی ؟"

اور خان بہادر نے مسکرا کر بیٹی کی ذہانت کی داد دی۔

جمیل حیران تھا کہ یہ ایک دوشیزہ بول رہی ہے مگر اس کے جلال افروز حسن و جمال نے اسے ایسا مسحور کر دیا تھا کہ اس پر ایک محویت کا عالم طاری تھا اور اس کی ہر ادا کو قدر کی نگاہ سے یہ سمجھ کر دیکھ رہا تھا کہ یہ سب کچھ وہ جمیل کی محبت کی خاطر کر رہی ہے۔ اسے نہ جانے کیوں یہ خوش فہمی پیدا ہو چلی تھی کہ وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی جا رہی ہے۔

خان بہادر نے دل لگی کے انداز کو جلدی سے بدل کر کاروباری پہلو اختیار کرنے کی کوشش کی اور کوٹھی کے بارے میں گفت و شنید شروع کر کے معاملات طے کرنے لگے۔

اس سلسلہ میں زیادہ طوالت اختیار کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہوئی۔ کیوں کہ عزیز کے مشورے کے مطابق جمیل پہلے ہی اس کی خریداری پر آمادہ ہو کر قیمت ادا کرنے کے لیے چیک بک لے کر آیا تھا۔

چناں چہ اس نے جلدی سے جیب سے چیک بک نکالی اور سادہ چیک پر دستخط کر کے خان بہادر کے سامنے رکھ دی اور کہا:

"آپ جو قیمت مناسب سمجھیں لکھ لیں۔"

خان بہادر نے خود کچھ لکھنے کے بدلے مسکراتے ہوئے وہ چیک بک بیٹی کی طرف بڑھا دی۔

اور بولے:

"لو بھئی رضیہ! یہ کوٹھی تو اب تمھارے نام پر ہے تم ہی طے کر دو۔"

رضیہ چیک بک ہاتھ میں لے کر جمیل کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے دلکش انداز سے کہنے لگی:

"یہ تو خریدار کی مرضی ہے جو مناسب سمجھے۔"

جمیل کا دل چاہا کہ اس ادائے دلبری پر نقد جان فدا کر دے، روپیہ کا تو ذکر ہی کیا۔

اور اس نے چیک بک عزیز کو دیتے ہوئے اپنی ذمہ داری اس پر عائد کر دی اور کہا :

"جو چاہو رقم بھر دو۔"

عزیز نے چیک بک لیتے ہوئے کہا :

"صاحب یہ بھی عجیب دل لگی ہے۔ چیک بک بے چاری تاش کے پتوں کی طرح ہاتھوں ہاتھ چل رہی ہے۔ اس کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ آخر اس میں تکلّف کیا ہے۔ مس رضیہ! آپ ہی فرما دیں کیا رقم بھر دی جائے۔ جمیل بے چارے تو ذرا شرماتے ہیں کہ اپنے منہ سے قیمت کیا مقرر کریں۔"

جمیل نے کہا :

"جس کی کوئی قیمت ہی نہ ہو اس کی قیمت کیسے مقرر کی جائے؟"

رضیہ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

اور بولی :

"بہت خوب! گویا آپ مفت کے قائل ہیں۔ آخر ادیب جو ہوئے۔"

جمیل پہلے تو جھینپ گیا۔

پھر ذرا سنبھل کر بولا :

"یہ بات نہیں مس رضیہ۔ میرا مطلب تھا انمول چیز کے دام کیسے لگائے جائیں۔"

اور رضیہ نے فوراً جواب دیا :

"آپ کوٹھی کی قیمت ادا کر رہے ہیں یا.....؟"

"یا کوٹھی والوں کی؟"

عزیز نے برجستہ فقرہ پورا کیا:

"یہی کہنا چاہتی ہیں نا آپ؟"

مگر نمعلوم کیوں رضیہ عزیز کی اس بات سے شرمندہ سی ہو گئی۔ دراصل وہ خود بھی یہی کہنا چاہتی تھی مگر عزیز نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ اس انداز سے یہ جملہ کہا کہ وہ گھبرا گئی اور آنکھیں چرانے پر مجبور ہوئی۔

اس ردّ و قدح کے بعد عزیز نے خان بہادر سے پوچھا:

"خان بہادر صاحب آپ ہی اس قصہ کو ختم کیجیے۔ بات کچھ غیر معمولی تکلّف میں پڑ گئی ہے۔"

خان بہادر نے کہا:

"آپ ہی بھر لیں ایک لاکھ بیس ہزار کی رقم ہے۔"

اور عزیز نے جلدی سے یہ رقم بھر کر چیک کاٹ کر خان بہادر کے حوالہ کیا اور جمیل کو مخاطب کر کے مبارکباد دی۔

اور ساتھ ہی رضیہ سے خطاب کیا:

"آپ کو سلامت۔"

اس پر رضیہ نے جواب میں:

"شکریہ — اور آپ کو مبارک بھی سلامت بھی۔"

کہہ کر قہقہہ بلند کیا۔

خان بہادر کے چہرے پر خوشی اور اضمحلال کے ملے جلے آثار تھے جس سے جمیل نے قیاس کیا کہ ان کی خوشی کا سبب تو قرضہ کا بار اتر جانے سے ہے

اور اپنی جدّی جائداد کے فروخت ہو جانے کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے ہوں گے۔ لیکن انھوں نے چیک ہاتھ میں رکھتے ہوئے جمیل کو مبارک باد دی۔

اور کہا :

" فرمایئے آپ کو کوٹھی کا تخلیہ کب سے چاہیے ؟ ہم مکان کی تلاش کر لیتے ہیں جب آپ فرمائیں خالی کر دیں۔"

اس پر جمیل نے کہا :

" میں نے اس خیال سے تو رقم پیش نہیں کی۔ کوٹھی آپ کو مبارک ہو۔ جیسے آپ رہتے ہیں آرام سے رہیں۔"

رضیہ بولی :

" لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ ہوٹل کی زندگی سے تنگ ہیں۔ مکان کی تلاش ہے آخر رہائش ہی کے لیے آپ کو ضرورت ہے نا ؟ "

جمیل رضیہ کی اس بات سے بے حد خوش ہوا۔

اس کی خوش فہمی کو اس سے تقویت پہنچی۔

وہ سوچنے لگا :

" رضیہ چاہتی ہے میں ہوٹل سے منتقل ہو کر یہاں رہائش اختیار کر لوں۔ گویا میری قربت چاہتی ہے۔"

اور اس نے کہا :

" دراصل مجھے اتنی بڑی کوٹھی کا کیا کرنا ہے۔ اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں اور اجازت دیں تو کسی طرف دو کمرے کافی ہوں گے۔"

رضیہ بولی :

" یہ آپ کی مرضی ہے۔ آپ مالک ہیں۔"

جمیل یہ سن کر اور بھی لوٹ پوٹ ہو گیا۔

اسے محسوس ہوا جیسے اس کا اشارہ اپنی جانب ہے۔

وہ سوچنے لگا:

"کاش میں اس کا مالک بن سکوں۔"

مگر جواب میں کہنے لگا:

"جی نہیں آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں۔ کوٹھی آپ ہی کی ہے اور آپ ہی کے قبضہ میں رہے گی۔"

خان بہادر نے کہا:

"یہ آپ کی عنایت ہے لیکن بہر حال ہمیں آپ کی ضرورت کے لیے خالی تو کرنا ہی ہوگا۔"

اس پر عزیز نے مداخلت کر کے یہ طے کیا کہ:

"فی الحال کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ جب جمیل چاہیں اور خان بہادر صاحب اجازت دیں تو چند کمرے ان کے لیے خالی کر دیے جائیں۔"

اور یہ طے ہو گیا۔

جمیل نے اس رائے پر صاد کیا اور خان بہادر بھی مطمئن ہو گئے۔ انھوں نے عزیز اور جمیل دونوں کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی بدولت وہ ایک بھاری بوجھ سے سبکدوش ہو گئے۔

عزیز نے اب اس گفت گو کا رخ بدلنے کے لیے کہا:

"اب یہ کاروباری ماحول ختم ہونا چاہیے اور ہم کسی دل چسپ موضوع کو زیر بحث لے آئیں۔"

رضیہ نے تالیاں بجا کر اس کی اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔

عزیز نے کہا :

"مس رضیہ آپ کو موسیقی سے بھی کوئی شوق ہے ؟"

جمیل جلدی سے بولا :

"یقیناً ہوگا۔ آپ جیسی خوش ذوق خاتون فنونِ لطیفہ کی ماہر ہوں گی۔"

رضیہ شرماتے ہوئے بولی :

"گانا سننے کا تو ضرور شوق ہے اور فنونِ لطیفہ کا مجھے پتہ نہیں۔ یہ آپ جیسے ادیب اور انشا پرداز ہی مہارت رکھتے ہیں۔"

عزیز نے کہا :

"تو جمیل صاحب! قرعۂ فال آپ ہی کے نام نکلا۔ بسم اللہ کچھ سنائیے۔"

جمیل کہنے لگا :

"آپ شاید یہ چاہتے ہیں کہ اس کمرہ میں ہی نہیں کوٹھی کے قرب وجوار سے بھی لوگ دور چلے جائیں۔"

رضیہ نے پوچھا :

"کیوں ؟"

جمیل نے کہا :

"اس لیے کہ میری آواز سن کر کسی کی سماعت برداشت نہ کر سکے گی۔ سب کو بھاگنا پڑے گا۔"

رضیہ بولی :

"اس قدر خوش آواز ہیں آپ ؟"

اس پر سب ہنسنے لگے۔

پھر خان بہادر نے کہا :

"عزیز صاحب آپ خود جو بہت اچھا گاتے ہیں۔"

اس پر عذرا نے پہلی بار لب کشائی کی۔

اور خان بہادر کی تائید کرتے ہوئے بولی:

"جی ہاں! عزیز صاحب تو بہت عمدہ گاتے ہیں۔"

سب نے بالاتفاق عزیز سے گانے کی فرمائش کی اور رضیہ نے جلدی سے نوکر کو آواز دے کر دوسرے کمرے سے ہارمونیم لانے کو کہا۔

عزیز کو ہارمونیم لے کر فرش پر بیٹھنا پڑا۔

جمیل کے لیے عزیز کا یہ وصف بالکل نیا تھا۔ وہ اس کی تمام صفات سے واقف تھا مگر یہ جانتا تھا کہ وہ نہایت اعلیٰ مقرر، حاضر جواب، فلسفی اور شہسوار ہے لیکن موسیقی میں بھی اس کو کچھ ملکہ ہے وہ اس سے قطعاً ناآشنا تھا اس لیے وہ سمجھا کہ عزیز محض تفریحاً باجہ لے کر بیٹھ گیا ہے۔

لیکن جب عزیز نے سُر چھیڑے اور تھوڑی دیر ایک راگ کا الاپ کیا تو وہ حیران رہ گیا۔

ساری محفل مبہوت ہو گئی۔

اور اس نے اپنی دل کش سریلی آواز میں ایک غزل شروع کی تو ہر ایک پر وجد کی کیفیت طاری تھی۔ حاضرین ساکت وصامت بیٹھے سن رہے تھے۔ اور وہ عجیب عالم میں نغمہ سرا تھا۔

عذرا بیگم کے چہرے پر کبھی زردی کبھی سرخی جھلکنے لگی۔ اور معلوم ہوتا کہ جیسے اس پر غنودگی چھائی ہوئی ہے۔

رضیہ بالکل سحر زدہ سی نظر آ رہی تھی اور اس کیفیت میں اس کا حسن اور بھی دو بالا ہو گیا تھا۔

ثناہینہ آنکھیں بند کیے جھوم رہی تھی۔

جمیل اس پرسوز نغمہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

جب عزیز نے غزل ختم کی تو ہر ایک کے ہوش و حواس بجا ہوئے اور سب کی زبان پر "واہ وا" کی صدائیں تھیں۔

جمیل نے کہا :

"عزیز تم تو واقعی تان سین کی روح کو جگاتے ہو، کمال ہے۔"

رضیہ کی آنکھوں میں اس وقت ایسی چمک تھی جیسے جاڑے میں آسمان پر تارے چمکتے ہیں۔

اور مخمور آواز میں اس نے عزیز سے فرمائش کی کہ :

"کچھ اور عطا فرمایئے !"

عزیز سب کی تعریفیں سن کر مسکراتا رہا۔

جمیل نے بھی رضیہ کی فرمائش کی تائید کی۔

اور عذرا بیگم کے لب ہل کر رہ گئے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر کہہ نہ سکیں۔

عزیز نے ہنس کر جمیل کو مخاطب کیا :

"حضور انعام کیا ملے گا ؟"

جمیل نے کہا :

"منہ مانگا۔"

عزیز نے برجستہ کہا :

"وعدہ رہا۔ کہیں مکر نہ جانا۔"

اور ساتھ ہی رضیہ کو دیکھا۔

جمیل گھبرا گیا۔

کہ اس کا منشا شاید رضیہ کو انعام میں لینا ہے۔ اس نے ہنسی میں بات کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن عزیز نے اصرار کیا کہ :

"انعام کی شرط پکی ہوئی۔"

اور جلدی سے جواب کا انتظار کیے بغیر ایک غزل چھیڑی۔

حاضرین پر پھر جادو کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

اور عذرا بیگم کی حالت تو ایسی متغیر ہوئی کہ سب لوگ گھبرا گئے۔ پہلے اس کے جسم پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی مگر پاؤں ڈگمگائے اور دھڑام سے فرش پر گر پڑیں۔

شاہینہ اور رضیہ نے دوڑ کر انھیں اٹھایا۔

خان بہادر بھی سہارا دینے لگے۔

عزیز اطمینان سے کھڑا یہ حالت دیکھتا رہا۔

مگر جمیل گھبرا گیا۔

سب لوگ عذرا کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔

خان بہادر سخت پریشان تھے۔

جمیل نے تجویز کیا کہ :

"ڈاکٹر کو بلا لیا جائے۔"

اور عزیز کو لے کر جلدی سے خود ہی کار میں گیا اور ڈاکٹر کو بلا لایا۔

عذرا کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔

جمیل کی سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن اسے سب سے زیادہ حیرت یہ تھی کہ عزیز

بجائے اظہارِ ہمدردی کے دانستہ بھر عذرا کی حالت کا مذاق اڑاتا اور اس کے طور و طریق کی تضحیک کرتا رہا۔

جمیل کے دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ :

" اطمینان سے بیٹھو گے تو بتاؤں گا کہ یہ کون ہے اور اس کی بیماری کیا ہے۔ ہمیں ایسی عورتوں کے لیے خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کیا پڑی ہے۔ تم کیا جانو اس دنیا میں کیسی کیسی ہستیاں ہیں "

ڈاکٹر نے آ کر عذرا کا معائنہ کیا اور اطمینان دلاتے ہوئے انجکشن دے دیا رفتہ رفتہ اس کی طبیعت روبہ اصلاح ہوئی۔

خان بہادر اور رضیہ دونوں نے جمیل کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ عزیزان سب سے کچھ الگ الگ ہی رہا۔ رضیہ اس وقت جمیل سے کچھ زیادہ قریب آتی معلوم ہوئی۔

اس نے کئی بار جمیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا :

" معاف کیجیے۔ آج ہماری وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔"

جمیل جو دل ہی دل میں رضیہ کے اس ہم کلام ہونے سے بے حد مسرور تھا اس کی والدہ کی اچانک علالت پر تشویش کا اظہار کر کے ہمدردی جتاتا رہا۔

اور کہنے لگا :

" مجھے تو اپنی اس خدمت پر خوشی ہے اور آپ کی پریشانی کا رنج ہوا۔ یہ تو میرا ایک ادنیٰ فرض تھا۔"

جمیل نے پوچھا :

" آپ کی والدہ کو ہوا کیا تھا ؟ ڈاکٹر صاحب نے کچھ بتایا یا نہیں ؟"

رضیہ نے بتایا کہ :

"ان کی یہ حالت اکثر ہو جاتی ہے۔ سینکڑوں علاج کیے مگر روز بروز ضعف بڑھتا جاتا ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

جمیل نے پوچھا:

"آخر ڈاکٹر مرض کیا بتاتے ہیں؟"

رضیہ نے جواب دیا:

"دل اور دماغ کی کمزوری کے سوا کچھ نہیں۔"

جمیل نے کہا:

"اللہ پاک انھیں شفا دے۔ آپ لوگ اب آرام کریں اور ہمیں اجازت دیں۔"

رضیہ نے کہا:

"آپ کی زحمت کے لیے میں سخت شرمندہ ہوں۔"

جمیل بولا:

"آپ بار بار یہ بات کہہ کر الٹا ہمیں شرمسار کر رہی ہیں اگر ناگوار نہ ہو تو آپ کی والدہ صاحبہ کی مزاج پرسی کے لیے میں کل حاضر ہو جاؤں؟"

رضیہ نے کہا:

"آپ کو تکلیف ہوگی۔ ہمیں تو خوشی ہوگی۔"

جمیل یہ سن کر خوشی سے پھول گیا۔

اور سوچنے لگا کہ:

اس کی والدہ کی بیماری تو میرے لیے ایک طرح سے زحمت بن گئی اور یہ زحمت بنا رہی ہے۔ شاید اسے ابھی معلوم نہیں کہ میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔

اس کے بعد عزیز اور حسین خاں بہادر کا شکریہ ادا کر کے سب سے رخصت ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

رضیہ خاص طور پر کوٹھی کے باہر کار تک انھیں پہنچانے آئی اور نہایت تپاک سے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

گاڑی روانہ ہوئی۔

راستہ میں کچھ دیر تک جمیل اور عزیز خاموش رہے۔

جمیل تو خوشی کے مارے بدحواس ہو رہا تھا۔ عزیز کچھ بے غرض تھا۔ آخر عزیز نے مہرِ خموشی توڑ کر کہا :

"مبارک ہو میاں گلفام ! آخر سبز پری شیشے میں اتر آئی۔"

جمیل بولا :

"یہ سب تمھاری مہربانی ہے۔ اگرچہ میں گلفام نہیں البتہ وہ سبز پری سے بھی بڑھ کر ہے۔"

عزیز نے کہا :

"پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی۔"

جمیل حیران ہو کر بولا :

"کیا مطلب۔ کیا رضیہ حسین نہیں۔"

عزیز نے کہا :

"لاحول ولا۔ میں نے کب انکار کیا۔"

جمیل بولا :

"عزیز ایمان کی بات تو یہ ہے کہ رضیہ حسین ہی نہیں بلکہ مجسّم جمال ہے۔"

عزیز نے کہا :

" ہوگی۔"

جمیل نے کہا :

" اگر تم کو شک ہے تو سبز پری سے تشبیہ کیوں دی ؟"

عزیز نے جواب دیا :

" اس لیے کہ وہ اس وقت سبز رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔"

" لیکن میں گلفام کیسے ہوا ؟" جمیل نے پوچھا۔

عزیز بولا :

" سبز پری کی چاہت کی بدولت۔"

جمیل نے کہا :

" بہر حال جو کچھ ہے ع :

اے بادِ صبا ایں ہم آوارۂ تست"

عزیز کہنے لگا :

" کیا خوب! گویا یہ عشق کرنے کو میں نے فرمائش کی آپ سے ؟"

دونو دوست ہنستے باتیں کرتے عیش محل پہنچ گئے۔

جمیل نے عزیز سے کہا :

" چلو تھوڑی دیر بیٹھو باتیں کریں گے۔"

مگر عزیز چلنے کا ارادہ کرنے لگا۔ کہ :

" اب کل صبح ملاقات ہوگی۔

اس پر جمیل نے پھر گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے چھوڑنے روانہ ہوگیا۔

❖

جمیل کو رات بھر نیند نہیں آئی۔

وہ دفورِ شوق میں بے تاب تھا۔

اسے خیال آتا کہ :

میری محبوبۂ دل نواز حسن و جمال کا پیکر رضیہ اپنے نازک دل میں میری چاہت رکھتی ہے۔میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ اللہ پاک نے مجھے اپنے کرم سے ایسا نوازا ہے کہ منہ مانگی دولت عطا کی۔شہرت ملی۔کوٹھی کا ہی نہیں اس کے حسین مکین کا بھی مالک بننے والا ہوں۔

اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آتے اور اسے مضطرب کرکے آنکھوں سے نیند اڑائے ہوئے تھے۔

کبھی سوچتا کہ :

رضیہ بہت آزاد خیال لڑکی ہے اس کے والدین نے اسے بڑے نازو نعم سے پالا ہے اور وہ خود بہت ضدی اور خودسر معلوم ہوتی ہے اگر وہ میری شریکِ زندگی بن بھی گئی تو کیا میں اسے اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو سکوں گا ؟

اس سے وہ کسی قدر پریشان ہو جاتا۔

لیکن پھر فوراً خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کر لیتا کہ جب وہ مجھ سے محبت کرتی ہے جیسا کہ اس کے آج کے رویہ سے ظاہر ہوتا رہا تو وہ میری

رائے پر چلے گی۔ اور اس وقت تو وہ ایک آزاد ہرنی کی طرح ہے، جو بے روک ٹوک بے باکی اور شوخی سے اپنی مرضی کے مطابق کلیلیں بھرتی پھرتی ہے جب وہ میرے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو کر میری ہو جائے گی اور میں اس کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دوں گا۔ اسے کسی قسم کی فکر تو کیا اپنی ہر خواہش اور مرضی پوری ہوتی نظر آئے گی۔ جواہرات، زیور، لباس، مکان ہر طرح کا سامانِ عیش مہیا ہو گا تو اسے کس چیز کی ضرورت ہو گی جس کے لیے وہ اس آزادی کے غلط رویہ کو اختیار کرے گی۔ ایک وفادار محبت کرنے والا شوہر اس کا مطیع ہو گا۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ میرا دم نہ بھرے۔

اس مسرت و شوق کے طلسم خانہ میں جمیل نے رات بھر آنکھوں میں کاٹ دی صبح کو اٹھا۔

تو بے خوابی سے آنکھیں سرخ اور سر چکرا رہا تھا۔

غسل کیا۔

اور گرم گرم قہوہ پی کر بڑا کروٹیں بدل رہا تھا کہ اتنے میں عزیز آ گیا۔ اور اس نے آتے ہی جمیل کو چھیڑنا شروع کیا۔

جب اس نے عزیز کی اس بات کی تردید کی کہ وہ رات بھر رضیہ کے فراق میں جاگتا نہیں رہا ہے تو عزیز نے اس کی گزری ہوئی ہر کیفیت جمیل کے سامنے اس طرح بیان کر دی جیسے خود اپنی بیتی سنا رہا ہو، یا جمیل پر جو گزری ہے سب کچھ دیکھتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دلی خیالات تک کا بھی اظہار کر دیا جمیل پہلے تو ٹالتا اور انکار کرتا رہا۔ لیکن جھوٹ کہاں تک بول سکتا تھا۔ آخر اقرار کرنا ہی پڑا۔

اور پھر عزیز کو وہ اپنا بہی خواہ اور راز دار سمجھنے پر مجبور تھا۔

عزیز نے اس سے صرف اتنا کہا کہ :

"بھئی میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ سب کچھ سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ جذبات کی رو میں بہنا اور دور اندیشی سے بعید کوئی قدم جلد بازی میں اٹھانا انسان کے لیے شرمندگی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔"

جمیل کی حالت اس بے تاب عاشق کی تھی جو ناصح کی ہر بات کو رقابت کی نظر سے دیکھتا اور سنتا ہے۔

چنانچہ اس کے دل میں خیال آیا کہ :

گو عزیز میرا دوست سہی لیکن میری دولت اور رضیہ کے التفات کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس لیے وہ ذاتی مصلحت کی بنا پر مجھے رضیہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے لیے اس کی طرف سے بدگمان کرنا چاہتا ہے ورنہ رضیہ میں سوائے آزاد خیالی کے کوئی عیب نہیں۔ اس کی ادا ادا میں حسن اور بات بات میں رعنائی ہے۔ رہی آزادی تو وہ ماحول اور تربیت کا تقاضا بھی ہے اور کم سنی کا بھی۔ میں اسے آسانی سے اپنی راہ پر لا سکتا ہوں۔ اور پھر اس کے دل میں میری چاہت بھی ہے۔ اس کی آزاد خیالی مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

جمیل نے ذرا دیر میں یہ باتیں سوچ کر عزیز کی باتوں کو ان سنی کر دیا اور چائے کی فرمائش کر کے ادھر ادھر کی گفت گو میں اس موضوع کو بدل ڈالا۔

اسی دوران چائے نوشی کے وقت رات کے گانے کا ذکر کر کے عزیز کی تعریف کرتا رہا۔

پھر عذرا بیگم کی حالت پر افسوس ظاہر کیا۔

اپنی تعریف پر تو عزیز انکسار کا اظہار کرنے لگا لیکن عذرا کے ذکر پر اس نے بڑی نفرت سے کہا :

عزیز : ذلیل بے وفا عورت کا یہی انجام ہوتا ہے۔
جمیل حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔
اس نے پوچھا :
"کیا مطلب ؟"
عزیز : تم نے اس کا حال تو دیکھ ہی لیا۔
جمیل : ہاں اسی پر تو افسوس کر رہا ہوں۔
عزیز : ایسی عورتیں افسوس اور ہمدردی کی مستحق نہیں، البتہ عبرت کے لائق ہیں۔
جمیل : کیا عذرا بیگم کا چال چلن کچھ مشتبہ تھا ؟
عزیز : مشتبہ ؟ تم کمال کرتے ہو۔ یہ تو اس کی تعریف ہے۔ اس سے زیادہ ذلیل اور آوارہ عورت کون ہو سکتی ہے۔
جمیل : مگر تم کو کیسے یقین ہے کہ . . .
عزیز : یار تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔
جمیل : تو گویا تم بھی . . . .
عزیز : معاف کیجیے۔ میں ایسی ہرجائی عورتوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔
جمیل : تم عذرا کو کب سے جانتے ہو ؟
عزیز : جب سے اسے دیکھا۔ اب اس کی عمر کوئی ۴۲ - ۴۳ سال کی ہوگی میں نے اسے بیس بائیس سال کے سن میں پہلی بار دیکھا تھا اور جب سے اس کے حالات سے واقف ہوں۔
جمیل : صرف حالات سے ؟

عزیز : میں نے کہا ناکہ ایسی مکّار ذلیل عورت سے تعلقات قائم کرنا میرا شعار نہیں۔ جوانی میں وہ اپنی بیٹی رضیہ سے بھی کہیں زیادہ حسین تھی۔

جمیل : حسین تو وہ اب بھی ہے لیکن رضیہ سے جوانی میں بھی زیادہ حسین نہیں ہوگی۔

عزیز : میں حقیقت بیان کر رہا ہوں اور تم مجنوں کی آنکھوں دیکھی سنا رہے ہو۔

جمیل : بہرحال کچھ بھی سمجھو۔ رضیہ حور شمائل پری تمثال ہے۔

عزیز : ہوگی۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ عذرا کا شباب قیامت تھا۔ شادی سے پہلے وہ سیدھی سادی لڑکی تھی لیکن شادی کے بعد اس کے عاشقوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا، اور تقریباً ایک سو ایک عشاق اس کے گرد ہر وقت منڈلاتے نظر آتے۔ اسے یہ شوق ہوگیا تھا کہ اس تعداد میں روزافزوں اضافہ ہو۔ اور سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتی اور وعدۂ فردا پر ٹال کر اپنا الو سیدھا کرتی رہے۔

جمیل : تو کیا وہ اتنی بدچلن تھی ؟

عزیز : حد سے زیادہ۔ اور اس کی بدچلنی کی ذمہ داری خان بہادر پر تھی۔

جمیل : وہ کیسے ؟

عزیز : خان بہادر نے شادی کے بعد اسے اپنے دوستوں سے ایک ایک کر کے متعارف کرایا اور بے باک بنایا۔ خان بہادر خود جوانی میں بڑے عیاش اور بدچلن تھے۔ آبا و اجداد کی ترکہ کی جائداد عیاشی میں

اڑائی اور پھر بیوی کے عاشقوں سے قرض ادھار لینا شروع کیا۔ وہ بیوی سے غافل نئی نئی اداؤں پر جوانی لٹاتے پھرتے اور بیوی اپنے عشاق کے گروہ میں من مانی کرنے لگی۔

جمیل : یہ تو بڑی بے حیائی ہے۔

عزیز : آجکل اس کو بے حیائی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے ایسے عیاش اور خوش باش لوگ اس معاشرہ میں ملیں گے جو خود دوسروں کی بیویوں اور بیٹیوں بہنوں کے پیچھے پھرنا شان سمجھتے ہیں اور اپنی بیوی کو کمائی کے لیے دوسروں کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔

جمیل : یار ایسی ذلیل زندگی پر تو لعنت ہے۔

عزیز : لیکن موجودہ تہذیب کی گندگی تو اسے باعثِ عزت سمجھتی ہے۔

جمیل : سخت افسوس ناک ہے۔

عزیز : ابھی تم نے اس دنیا میں کیا دیکھا ہے۔ ابتدائے عشق ہے۔

جمیل : خدا بچائے ایسے عشق سے جو بے شرمی اور بے غیرتی سکھائے۔

عزیز : ہماری نئی روشنی اور نئی تہذیب کا یہی شعار ہے۔

جمیل : مگر عذرا بیگم کو یہ اچانک دورہ پڑا کیسے ؟

عزیز : میری غزل سے۔

جمیل : غزل سے - وہ کیوں ؟ کیا تمھاری آواز نے ان کے جذبات میں ایسی ہلچل مچا دی ؟

عزیز : جذبات میں ہلچل تو کیا - بس اس غزل نے آگ ضرور لگائی۔

جمیل : آخر بات کیا ہوئی ؟ کچھ بتاؤ بھی تو . . . .

عزیز : بھئی قصہ یہ ہے کہ عذرا کے عشاق کی جماعت میں ایک آوارہ

بدمعاش تھا۔ اس کا نام میں نہیں بتانا چاہتا۔ اوّل درجہ کا لفنگا۔

جمیل: یہیں کا رہنے والا تھا؟

عزیز: ہاں۔ اپنے آپ کو شاعر بھی کہتا تھا۔ مشاعروں میں غزلیں پڑھتا۔ جیسے آجکل کے اکثر تنک بند جاہل خود کو شاعر غزّاں سمجھتے اور مشاعروں میں بے سرے الاپ کر سستی شہرت کے مالک بنے پھرتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی تھا۔

جمیل: تو پھر اس غزل سے اس واقعہ کا کیا تعلق ہے؟

عزیز: سنتے تو جاؤ۔ وہی تو بیان کر رہا ہوں۔ یہ غزل اسی تنک بند کی ہے

جمیل: اچھا۔

عزیز: اور اس غزل کا اس کے اس جرم سیاہ سے تعلق تھا جس کا اس ذلیل انسان نے عذرا کی خاطر ارتکاب کیا تھا۔

جمیل: وہ کیا تھا؟

عزیز: ہوا یہ کہ عذرا اس کی بری طرح والہ و شیدا ہو گئی اور اپنے شوہر سے بے وفائی پہ آمادہ ہو کر سارے عشاق سے منہ موڑ کر اس کا دم بھرنے لگی کیونکہ اس کے سفلی جذبات کو ابھارنے والی غزلیں اور حد سے بڑھا ہوا شُہدہ پن اور آوارگی عذرا کی جنسی خواہشات کو راس آنے لگی۔ اور وہ اسے سب سے زیادہ پسند کرنے لگی۔ ہر وقت اس کو اپنے گلے کا ہار بنائے رہتی۔ خان بہادر کے علم تک میں یہ بات آ گئی۔ مگر وہ اس لیے خاموش تھے کہ عذرا کی بے راہ روی کے وہ خود ضامن تھے۔ دوسرے اگر وہ اس کی روک تھام کرتے تو خود ان کی اپنی آوارگی میں فرق آتا۔

جمیل: کتنی عجیب اور ذلیل زندگی ؟

عزیز: ابھی آگے سنو ! عذرا کو معلوم ہوا کہ اس کے آوارہ عاشق کی شادی ہونے والی ہے چناں چہ وہ اس کی سہاگ رات کو بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس کے گھر پہنچی اور اسے اپنے ساتھ گردن پکڑ کر لے آئی۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک یہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ اپنی نئی دلہن کو دوا یک روز میں زہر دے کر چھٹکارا حاصل کرے گا۔ اور بدستور خود عذرا کے پہلو کی زینت بنا رہے گا۔

جمیل: خدا کی پناہ !

عزیز: چناں چہ اس بدمعاش ظالم نے اپنی نئی نویلی دلہن کو ہلاک کر دیا اور عذرا کی دی ہوئی رقم رشوت میں دے کر قانون سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا۔ مشہور یہ ہوا کہ اس کی بیوی کو اچانک کالرا ہوا جس سے فوت ہو گئی۔

جمیل: استغفراللہ ! ایسے ایسے کمینے رذیل انسان اس جہان میں بستے ہیں۔

عزیز: جس روز بیوی کو ہلاک کیا اسی روز یہ غزل اس ذلیل تک بند نے کہی اور عذرا کو بھیج کر اپنے جرم کی اطلاع کی جس کا آخری شعر تم نے سنا اور اسی پہ عذرا کی حالت غیر ہوتے دیکھا کہ

سب کچھ لٹا کے آج تمھیں ہم نے پا لیا
ہم نے تمھاری راہ میں دنیا نثار کی

اسی شعر پہ عذرا کا حال بگڑنے لگا تھا اور جب میں نے اس شعر کی تکرار کی تو وہ بے تاب ہو کر کانپنے لگی کیوں کہ ایک بے گناہ

کی ہلاکت کا انتقام اسے بری طرح ستا رہا تھا اور اسی انتقام کی آگ میں وہ اس وقت سے جل بھن رہی تھی - اس کی بیماری کا سب سے بڑا سبب ایک معصوم روح کا انتقام اور خدائی قہر ہے۔

جمیل : خدا کی پناہ ! لیکن تم گھر کے بھیدی بن کر لنکا ڈھانے پر تُل گئے۔

عزیز : اس میں میرا کیا قصور ؟ میں نے خود تو غزل گانے کو نہیں کہا - آپ سب نے اور خود عذرا نے بار بار اصرار کیا۔

جمیل : مگر تم نے کمال کر دیا - تمھاری آواز میں قیامت کا سحر ہے۔

عزیز : اب یہ تم مجھے بنانے لگے۔

جمیل : بنانے کی بات نہیں - حقیقت ہے۔

عزیز : تم نے سنا ہوگا کہ عذرا نے یہ غزل چھیڑتے ہی مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ اس شاعر کو جانتے ہیں ؟

جمیل : ہاں - اور تم نے کہا تھا کہ خوب جانتا ہوں۔

عزیز : جی ہاں - اس سے اس نے اندازہ لگایا ہوگا کہ میں اس کے مکر و فریب سے بھی واقف ہوں۔

جمیل : مگر یہ باتیں تم کو معلوم کیسے ہوئیں ؟

عزیز : خود اس بدمعاش شخص کی زبانی۔

جمیل : اس نے تم سے بیان کیں - وہ کیوں ؟

عزیز : عذرا کی فطرت یہ رہی کہ وہ اپنے بڑے سے بڑے عاشق کے ساتھ زیادہ دن نباہ نہیں کرتی تھی - اس کی ہرجائی طبعیت یوں تو ہر روز نیا شکار تلاش کرتی لیکن اگر کسی سے طبیعت لگ بھی جائے تو چند روز اس کے گلے کا ہار رہتی پھر اس سے بے رخی اختیار کر کے

دوسری طرف ہو جاتی۔ اس تک بند کے معاملہ میں بھی وہی ہوا۔ گو دو مردوں کی نسبت اس سے کچھ زیادہ دن تعلقات رہے مگر انجام کار اس کی طبعیت بھر گئی اور یہ کہہ کر اسے نکال دیا کہ جب تم اپنی منکوحہ بیوی کو قتل کرنے سے باز نہ آئے تو میں کس امید پر تم کو وفادار سمجھ سکتی ہوں اس سے اس شخص کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے بھی خودکشی کر لی۔ اس سے پہلے یہ سب واقعات اس نے اپنے ایک دوست کو سنائے جس کی زبانی مجھے معلوم ہوئے۔ دراصل اس کی خودکشی کا باعث بھی اس کی معصوم بیوی کا خون تھا جو ایک دن خدائی انتقام بن کر اس کا جان لیوا بنا۔

جمیل: واقعی۔ یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔

عزیز: اور اسی کے عذاب میں آج تک عذرا مبتلائے مصیبت ہے۔ اس پر آئے دن جان کنی کی سی حالت طاری ہوتی ہے اور اسی طرح تڑپتی ہے۔ نہ جانے کب تک یہ حال رہے۔

جمیل: اس میں کیا شک ہے۔ خدا ہر انسان کو اس ذلت اور عذاب سے محفوظ رکھے۔

اس کے بعد دونو کچھ دیر خاموش ہو گئے۔

جمیل سوچنے لگا:

"رضیہ بھی عذرا جیسی ماں کی بیٹی ہے۔ اس سے وفا کی امید رکھنا کیسا ہوگا؟

اس خیال نے اس کے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا کر دیا اور وہ لرز گیا۔

عزیز جو نہایت تجربہ کار اور جہاں دیدہ شخص تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر تاڑ گیا اور اس کے چہرے کا متغیّر رنگ دیکھ کر فوراً بولا :

"حضرت گلفام کس سوچ بچار میں ہیں ؟"

جمیل نے گھبرا کر ٹالنے کے لیے کہا :

"کچھ بھی نہیں - میں عذرا بیگم کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیسی عجیب عورت ہے ۔"

عزیز نے جلدی سے کہا :

"اور یہ بھی تو سوچ رہے ہو کہ ان کی حور شمائل شہزادی بی رضیہ کے طور اطوار کیسے ہوں گے ؟"

گویا اس نے جمیل کی دُکھتی رگ کو چھیڑ دیا۔

وہ تلملا کے رہ گیا۔

اور حیرت میں سوچنے لگا کہ :

"عزیز نے کس غضب کا دماغ پایا ہے اس کو میرے دل کا بھید کیسے معلوم ہو گیا ۔"

اس نے ارادہ کیا کہ اب عزیز سے سب کچھ کہہ دینا چاہیے - اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ وہ اس کے تجربہ سے کچھ سیکھ سکے گا اور مشورہ میں مدد ملے گی۔

وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ عزیز نے وار کیا :

"دوست اصلی بات یہ ہے کہ تم کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے اس لیے دل میں درد چھپائے پھرتے ہو -"

جمیل نے کہا :

"عزیز تم کیسی باتیں کرتے ہو - سوائے تمھارے یہاں میرا کوئی اور

دوست یا عزیز ہے ؟ میں تم پر اعتماد نہیں رکھتا تو اور کس پر رکھ سکتا ہوں۔"

عزیز بولا :

"اب یہ تو تم ہی سمجھو۔"

جمیل نے کہا :

"سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے درمیان اب کسی قسم کا کوئی تکلّف نہیں آپ اور جناب سے گزر کر "تم" کی نوبت آچکی ہے۔"

عزیز کہنے لگا :

"اس معاملہ میں تو پہل میں نے ہی کی۔ جناب نے آپ آپ کی رٹ لگا رکھی تھی سب سے پہلے میں نے ہی تم سے مخاطب کر کے اس تکلف کو ختم کیا۔"

جمیل : میرے دوست تم کو خواہ مخواہ غلط فہمی ہے۔ میرا کون سا راز تم سے پوشیدہ ہے۔

عزیز : یہی تو میں کہتا ہوں کہ جب کوئی بات تمھارے کہے بغیر چھپی نہیں تو تم مجھ سے کھل کر دل کا حال کیوں نہیں کہتے۔ کیا میں تمھارا دشمن ہوں ؟

جمیل : استغفراللہ۔ آج یہ تم کیسی باتیں کرنے بیٹھے ہو ؟

عزیز : جیسی تم سننا نہیں چاہتے۔

جمیل : کیا مطلب ؟

عزیز : بھائی میرے ! میں کسی مطلب کے لیے تم سے نہیں ملتا۔ میرا مطلب صاف ہے۔

جمیل : آخر یہ آج کس سے لڑ کر آئے ہو جو اتنے خفا ہو۔

عزیز: لڑکر آیا نہیں مگر لڑنے کا ارادہ ضرور ہے۔

جمیل: عزیز تم اوندھی منطق میں اپنا دماغ کیوں خراب کر رہے ہو۔

عزیز: دیکھو جمیل میں تمھارا سچا بہی خواہ ہوں۔ تم کسی غلط فہمی میں بے راہ روی سے اپنی زندگی کو کوئی روگ نہ لگا بیٹھو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں۔

جمیل: اور میں پختہ یقین و اعتماد کے ساتھ تمھارے خلوص کا قائل ہوں۔

عزیز: خیر اب اس تکلف کو برطرف کرو، اور صاف صاف بتاؤ کہ تم رضیہ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟

جمیل: یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟

عزیز: میں نے تم سے سوال کیا۔ اس کا جواب چاہتا ہوں۔ سیدھا اور صاف۔ بس۔ اگر مجھ پر اعتبار نہیں تو نہ بتاؤ۔ یہ تمھاری مرضی ہے۔

جمیل: اگر میں کہوں کہ نہیں تو تم کیا سمجھو گے؟

عزیز: سمجھوں گا تم غلط بیانی کر رہے ہو۔

جمیل: وہ کیوں؟

عزیز: اس لیے کہ تم اسے دل وجان سے چاہنے لگے ہو۔

جمیل: تو تمھاری رائے کیا ہے؟

عزیز: پھر وہی سوال؟ بھئی میں تم سے جواب مانگ رہا ہوں۔

جمیل: فرض کرو کہ کرنا چاہتا ہوں مگر تمھارے مشورے سے۔

عزیز: یہ مشورے والی بات تو بعد کی ہے۔ اپنی پہلی بات قائم رکھو۔

جمیل: چلو یہی سہی!

عزیز: تو میں تمھاری ہر ممکن مدد کرنے کو تیار ہوں۔

جمیل : پیارے دوست ! کیا سچ مچ تم میری مدد کرو گے ؟
عزیز : کیا خوب ۔ یعنی تمھیں مجھ پر ابھی تک شک ہے کہ میں تمھارا سچا دوست اور خیر خواہ ہوں یا نہیں ۔
جمیل : مجھے پورا بھروسہ ہے لیکن اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آتا ۔
عزیز : تمھیں موجودہ حالات میں اپنی خوش نصیبی پر بھی کوئی شبہ نہ کرنا چاہیے۔ سارے معاملات تمھارے حق میں ہیں ۔ تم جو بھی ارادہ کرو ، پورا ہو سکتا ہے ۔
جمیل : (خوش ہو کر) یعنی میں رضیہ کو حاصل کر سکتا ہوں ؟
عزیز : کر سکتا نہیں ، کر چکا ہوں کہو !
جمیل : یہ کیسے ؟
عزیز : وہ لوگ تمھاری دولت اور شان و شوکت سے پوری طرح مرعوب ہو چکے ہیں ۔ پھر تم ان کے محسن بھی ہو ۔ وہ تمھارے زیر بار احسان ہو چکے ہیں اور حاجت مند بھی ہیں ۔
جمیل : میں اپنی دولت کے بل بوتے پر اس نازنین پر قابو پانا نہیں چاہتا ۔
عزیز : تم چاہو یا نہ چاہو مگر یہ تو ہو کر رہے گا ۔ وہ خود تمھارے قابو میں آئے گی یا یوں سمجھو کہ وہ تم کو اپنے قابو میں کر چکی ہے اور اس کا کھلا سبب تمھاری دولت ہے ۔
جمیل : مگر میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا ۔
عزیز : مگر وہ تو اچھا سمجھتی ہے ۔
جمیل : کون رضیہ ؟
عزیز : نہیں بھئی قسمت ۔

جمیل : تمھارا بھی جواب نہیں۔

عزیز : قسمت بلکہ قسمتوں کے معاملہ میں سب لاجواب ہیں۔

جمیل : یہ تم پھر منطق بگھارنے لگے۔

عزیز : تم خود بھی جانتے ہو، انگریزی خیال کے مطابق قسمتیں تین بہنیں ہیں بہت بدشکل اور ان میں سے ایک کی شکل عذرا بیگم سے ملتی جلتی ہے۔

جمیل : کیسی باتیں کرتے ہو۔ خدا بچائے۔

عزیز : کس سے ؟ ایسی قسمت سے نا !

جمیل : ایسی بدشکل قسمت سے۔

عزیز : خدا کسی کا فرماں بردار نہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں کرنا ہوتا وہ نہیں ہو سکتا۔

جمیل : اس میں کوئی شک نہیں۔

عزیز : شک نہیں اور ہے بھی۔

جمیل : کیوں ؟ کیا تمھیں خدا میں کوئی شک ہے ؟

عزیز : یہ میں نے کب کہا۔

جمیل اور عزیز اس کے بعد رضیہ اور اس کے خاندان کی نسبت گفت گو کرتے رہے اور جب جمیل نے شادی کے بارے میں اس کی رائے دریافت کی تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سوچ کر بتاؤں گا۔

پھر دونو عذرا بیگم کی خبر لینے روانہ ہو گئے۔

جمیل خان بہادر کی کوٹھی پہ ہر روز جانے لگا۔

اگر کسی روز اسے کسی کام کی وجہ سے دیر ہو جاتی تو رضیہ کا خانساماں خیریت دریافت کرنے پہنچ جاتا۔

عزیز اس کے ساتھ کبھی جاتا کبھی وہ تنہا چلا جاتا۔

ہفتہ میں کئی بار جمیل اور رضیہ سنیما ضرور جاتے۔ اور کسی کسی روز عزیز بھی ان کے ہمراہ ہوتا۔

گویا اب جمیل اور رضیہ کے درمیان سے تکلف کے پردے اٹھ چکے تھے۔
خان بہادر نے ابتدائی ملاقات کے دوران اپنے خیالات اور بیٹی کی آزاد خیالی کا ذکر کر کے معاملہ کی صفائی کر دی تھی۔ اس لیے دونوں میں سے کسی کو کوئی خدشہ نہ تھا۔ ان کی ملاقاتیں شب و روز آزادانہ طور پر جاری تھیں۔

کلبوں میں، ہوٹلوں میں، سنیما گھروں میں، بازاروں میں جہاں دونوں اپنی مرضی اور خوشی سے جانا چاہتے گھومتے تفریح کرتے پھرتے۔

عزیز کا خلوص جمیل کے ساتھ بدستور ظاہر ہو رہا تھا لیکن وہ دانستہ طور پر ان کی بے تکلف ملاقاتوں اور راہ و رسم کے درمیان حائل ہونا مناسب نہ سمجھتا۔ بلکہ جمیل نے جب کبھی اس سے کہا کہ:

"تم دور دور کیوں رہتے ہو؟"

تو اس نے اسے مشورے کے طور پہ کہہ دیا کہ:

"یہی مناسب ہے کیوں کہ تم کو تنہائی میں رضیہ کے خیالات اور چال چلن کی آزمائش کا پورا موقع ملے گا۔ ممکن ہے میرے ہر وقت ہمراہ ہونے سے اسے کسی قسم کی بدگمانی ہو۔"

رضیہ جس خلوص و محبت کا اظہار جمیل سے کرتی تھی وہ اس کے اخلاق اور معقول عادات کا قائل ہوتا جا رہا تھا اور اس کے ذاتی برتاؤ سے اس کی وہ سب بدگمانیاں جو اس کے بارے میں اس کے خاندانی حالات کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں بالکل رفع ہونے لگی تھیں۔

اس نے کئی بار عزیز سے بھی اس کی تعریف کر کے کہا کہ:

"رضیہ خود بہت سلجھی ہوئی اور نیک مزاج لڑکی ہے۔"

رضیہ نے اس درمیان میں جمیل سے کبھی کسی چیز کے لیے فرمائش نہ کی۔ بلکہ اگر وہ اپنی مرضی سے اس کے لیے کچھ لاتا یا اس کو ساتھ لے جا کر کوئی زیور یا لباس پسند کرنے کی فرمائش کرتا تو وہ اسے منع کرتی۔

اور کہتی:

"مجھے اس قسم کی فضول خرچی پسند نہیں۔"

اور جب جمیل اسے بڑے اصرار سے مجبور کر دیتا تو وہ چڑ کر محض اسے خوش کرنے کے لیے تحفہ کے طور پر قبول کر لیتی۔

عذرا بیگم کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔

ثنا ہینہ کا شمار محض مہمان کی حیثیت سے تھا۔

ان حالات کو دو ماہ گزر چکے تھے۔

لیکن جمیل اور رضیہ کے درمیان کسی قسم کی آرزو مندی کا اظہار نہ ہونے پایا تھا۔ جمیل شاید رضیہ کے حسن جہاں سوز سے مرعوب تھا۔ اس کے عادات و

اخلاق سے متاثر یا اس کی بے لوث محبت کا معتقد۔ بہر حال سبب کچھ بھی ہو لیکن ان کی بے تکلف ملاقاتوں کے درمیان کسی قسم کی خواہش یا غرض کا کوئی اظہار نہ ہونے پایا تھا۔

گو جمیل رضیہ سے شادی کا دلی خواہاں تھا مگر اسے حرفِ مطلب زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اس کو یہ ہمت بھی نہ ہوئی کہ عزیز کو درمیان میں ڈال کر شادی کا پیغام دے۔

اور عزیز نہایت بے غرضی سے ان حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ شاید وہ آزما رہا تھا کہ دونوں کی محبت کے کیا انداز ہیں۔

ایک روز جمیل رضیہ کی کوٹھی گیا۔

اس کا ارادہ تھا کہ وہ رضیہ سے مشورہ کرے کہ اگر تم کوئی ہرج نہ سمجھو تو خان بہادر صاحب سے اجازت لے کر وہ ہوٹل سے منتقل ہو جائے اور کوٹھی کے ایک حصہ میں اس کے لیے دو کمرے خالی ہو جائیں۔

اتفاق سے رضیہ موجود نہ تھی۔

خان بہادر نے اسے بڑے تپاک سے بٹھایا اور رضیہ کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنی کسی سہیلی کے گھر ملنے گئی ہے۔

جمیل عذرا بیگم کا حال دریافت کرنے لگا۔ اس پر انھوں نے بڑی مایوسی سے بیان کیا کہ :

"کیا کہا جائے نہ زندوں میں ہیں نہ مُردوں میں۔ بس سانس کی ڈوری چل رہی ہے۔"

جمیل نے افسوس کرتے ہوئے کہا :

"مگر یہ بیماری کیا ہے ؟ معالج کیا کہتے ہیں ؟"

خان بہادر بولے :

"کیا عرض کیا جائے ۔ ڈاکٹر حکیم سب جواب دے چکے ہیں ۔ آپ کو اندازہ نہیں کس قدر حسین و جمیل صورت تھی ان کی ۔ مگر اب وہی ایسی ڈراؤنی ہوگئی ہے کہ دیکھا نہیں جاتا ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔"

اسی عرصہ میں رضیہ آ پہنچی ۔

اور خان بہادر عذرا کی تیمارداری کا عذر کر کے اٹھ گئے ۔

اس وقت رضیہ کا لباس اس کے حسن و رعنائی کو دوبالا کر رہا تھا ۔ سردی کا موسم تھا اور وہ سبز رنگ کا سوٹ پہنے اور کامدانی کا سبز دوپٹہ گلے میں ڈالے ہوئے تھی ۔

جمیل کے سامنے دعوت کی رات کا منظر آ گیا ۔ اور عزیز کی سبز پری کی تشبیہ یاد کر کے وہ بے تاب ہو گیا ۔

خان بہادر کے جانے کے بعد دونو ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے ۔ رضیہ نے عزیز کا حال دریافت کیا ۔

جمیل نے کہا :

"وہ سیلانی آدمی ہیں ۔ ٹھیک ہی ہوں گے ۔ مجھ سے بھی کئی روز سے ملاقات نہیں ہوئی ۔"

اس پر رضیہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی ۔

جمیل نے سلسلہ کلام چھیڑا ۔

جمیل : آپ بھی والدہ صاحبہ کی بیماری سے سخت پریشان ہوں گی ۔"

رضیہ : اب تو عادت ہو گئی ہے اس پریشانی کی۔

جمیل : تیمار داری کے لیے رات بھر جاگنا تو پڑتا ہوگا۔

رضیہ : جی نہیں ! میں تو ان کی مسہری کے پاس جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتی۔ ان کی صورت دور سے دیکھ کر خوف آتا ہے ۔ اور جسم سے بدبو۔

جمیل : تو پھر ان کے پاس کون رہتا ہے ؟

رضیہ : شاہینہ آنٹی ہر وقت ان کے پاس ہوتی ہیں۔ وہ ان کی تیمار داری کے لیے ہی آئی ہوئی ہیں۔

جمیل : تو وہ بڑی ہمت اور استقلال والی خاتون ہیں۔

رضیہ : اپنے مطلب کے لیے ہر ایک ہمت کر سکتا ہے۔

جمیل : مطلب کیسا ؟

رضیہ : وہ ممی کی موت کا انتظار کر رہی ہیں کہ کب جگہ خالی کریں اور ان کو موقع ملے۔

جمیل : یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا ؟

رضیہ : کیوں۔ ہونے کو دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔ میں رات دن ان کی توجہ ڈیڈی کی طرف دیکھ کر خوب اندازہ لگا چکی ہوں۔

جمیل : بہ ظاہر تو شاہینہ معقول خاتون معلوم ہوتی ہیں اور آپ سے تو بہت محبت کرتی ہیں۔

رضیہ : معاف رکھیں مجھے ان کی محبت نہیں چاہیے۔

جمیل : بہر حال خدا آپ کی والدہ صاحبہ کو جلد صحت عطا کرے ، اور اطمینان ہو۔

رضیہ : (بات ٹالتے ہوئے) آپ سے عزیز صاحب کی کب سے ملاقات نہیں ہوئی ؟

جمیل : کئی روز ہوگئے - کیوں کوئی خاص بات ؟"

رضیہ : کچھ نہیں - آدمی دل چسپ ہیں - ملیں تو کبھی لائیے -

جمیل : بہت خوب - مشکل یہ ہے کہ ان کو عورتوں کی صحبت سے خاص دل چسپی نہیں بلکہ نفرت ہی ہے -

رضیہ : تمام عورتوں سے ؟

جمیل : جی ہاں ! کوئی خصوصیت نہیں -

رضیہ : تو اسی لیے وہ یہاں نہیں آتے - مجھ سے بھی نفرت ہوگی ؟

جمیل : کچھ کہا نہیں جا سکتا - شاید آپ سے تو نہ ہو - مگر، وہ ہے کچھ عجیب قسم کا انسان -

رضیہ : انسان میں تو اس قسم کو حیوان کہوں گی -

جمیل : (مسکرا کر) یہ خوب کہا آپ نے - واقعی -

رضیہ : غالباً وہ شادی کے بھی قائل نہ ہوں گے -

جمیل : شادی کے تو نام سے اسے بیر ہے -

رضیہ کے ہاتھ میں اس وقت گلاب کا ایک پھول تھا جسے وہ باتیں کرتے ہوئے گود میں اچھال رہی تھی -

جمیل کا یہ جملہ سن کر اس کے چہرے پر عجیب طرح کے غم اور غصہ کے آثار پیدا ہوئے اور پھول کو ہاتھ میں کچل کر ریزہ ریزہ کر دیا -

پھر کہنے لگی :

"عجب بدتمیز آدمی ہے۔"

جمیل کو اس پر سخت حیرت ہوئی۔

اس کی زبان سے اکدم نکل گیا :

"کیوں۔ آپ کو اس سے کیا؟"

رضیہ کے چہرے پر اس وقت غیض و غضب کے آثار تھے جو رفتہ رفتہ اضمحلال سے بدل گئے۔

جمیل کا بات کا جواب دیے بغیر خاموش بیٹھی اپنے دستِ نگارین کی نازک انگلیاں مروڑتی رہی۔

پھر ایک دم جمیل کو مخاطب کر کے بولی :

"جمیل! آپ ڈیڈی سے صاف صاف بات کیوں نہیں کر لیتے"۔

جمیل کچھ نہ سمجھا۔

وہ رضیہ کے تیوروں کو دیکھ کر متحیّر تھا۔ اب اس اچانک سوال نے اسے اور بھی تعجب میں ڈال دیا۔

اس نے کہا :

"کس معاملہ میں؟ کیا ہوا؟"

رضیہ بولی :

"جس مطلب سے یہاں آتے ہو۔ کوٹھی تو آپ نے خرید لی۔ قیمت ادا ہو چکی۔ اب بقیہ سودا بھی جلدی سے چکا کر بات ختم کیجیے"۔

جمیل نے کہا :

"میں سمجھا نہیں۔ کیسا سودا؟"

رضیہ نے جواب دیا :

"جو آپ کے دل میں ہے۔ آخر آپ فیصلہ کیوں نہیں کر پاتے!"

جمیل: آخر کس کے متعلق ؟

رضیہ: آپ ایسے انجان کیوں بن رہے ہیں۔ میرے متعلق! اور اگر اس دوران میں آپ نے مجھ میں کوئی خرابی دیکھی ہے تو وہ بھی صاف صاف کہہ ڈالیے۔

جمیل کو ایسا معلوم ہوا جیسے بجلی کا کرنٹ اس کے سارے جسم میں دوڑ گیا۔ وہ سراسیمہ ہو کر رضیہ کا منہ تکنے لگا۔

اسے گمان بھی نہ تھا کہ یہ بات اس طرح رضیہ کی طرف سے شروع ہو گی۔ وہ گھبرا کر بولا:

"مس رضیہ یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگیں۔"

رضیہ: صاف صاف باتیں — مجھے لگی لپٹی اور تصنّع آمیز باتوں سے نفرت ہے۔

جمیل: تو یہ عزیز کا غصہ مجھ پر اتارنا چاہتی ہیں۔

رضیہ: مجھے کسی پر غصہ کرنے کی کیا پڑی ہے۔ میرا عزیز سے کیا واسطہ؟

جمیل: تو پھر اس گفت گو کی کیا ضرورت ہوئی؟

رضیہ: تو پھر یہ کہیے کہ آپ کا یہ مطلب نہیں۔ آپ بھی اس قسم کی کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ قصہ ختم۔

جمیل: رضیہ یہ ایسا قصہ نہیں جو ختم ہو سکے۔ بھلا کوٹھی کی خریداری کو آپ میرے اپنے معاملات کے درمیان کیوں لائیں؟

رضیہ: آخر شادی بیاہ کا معاملہ بھی ایک قسم کی خرید و فروخت اور سودا بازی ہے۔

جمیل: ہرگز نہیں۔ یہ دلوں کا معاملہ ہے اور جان کی سودے بازی۔

رضیہ : (عجیب ادا سے مسکرا کر) اچھاجی! تو معاملہ یہاں تک ہے۔

جمیل : آپ کو ابھی تک نہیں معلوم؟

رضیہ : میں مردوں کے دلوں کو ٹٹولنے کی عادی نہیں۔

جمیل : سب مردوں کے؟

رضیہ : اور کیا؟

جمیل : تو میں بھی ان سب میں شامل ہوں؟

رضیہ : اب آپ میری گفت گو کا انتقام مجھ سے لے رہے ہیں۔ میرے ہی فقرے مجھ پہ آزما رہے ہیں۔

جمیل : قطعاً نہیں! شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کو کس قدر چاہتا ہوں۔ تمھارے لیے جان تک کی بازی لگانے کو تیار ہوں۔

رضیہ : (ہنس کر) گھبرائیے نہیں جان کی بازی لگانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کی دولت یہ سودا چکانے کے لیے کافی ہے۔

جمیل : آپ پھر طنز پہ اتر آئیں۔ گویا میری دولت میرے تمھارے درمیان اس طرح حائل ہوگی۔

رضیہ : ہرگز نہیں بلکہ وہی تو آپ کی کامیابی اور میرے حصول کی ضامن بنے گی۔

جمیل : رضیہ جس شخص کو تمھارا ہاتھ نصیب ہو' میں سمجھتا ہوں وہ جتنا فخر کرے کم ہے۔

رضیہ : کسی کی بات چھوڑیئے، آپ اپنی بات کیجیے۔

جمیل : جو حکم دو۔ بندہ حاضر ہے۔

رضیہ : جمیل صاحب۔ میں نہ بچی ہوں اور نہ کسی مغالطہ میں۔ میرے ہوش و

حواس بجا ہیں۔ میں نے جو کچھ آپ سے کہا بالکل درست ہے۔ میں ہر معاملہ میں صاف گوئی کو ترجیح دیتی ہوں۔ آپ جو کچھ چاہتے ہیں کھل کر ڈیڈی سے بات کیجیے اور معاملات طے کر لیجیے۔

جمیل : مگر میرے آپ کے درمیان ڈیڈی کا کیا دخل ؟ بقول شخصے :
میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی !

رضیہ : جی نہیں ! اس غلط فہمی میں نہ رہیے۔ میاں بیوی سے زیادہ میاں قاضی کا دخل ہی زیادہ ہے۔

جمیل : خان بہادر صاحب تو نہایت فراخ دل اور آزاد خیال باپ ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ بیٹی کو انھوں نے پوری آزادی دے رکھی ہے۔

رضیہ : کہنے کی باتیں اور ہیں کرنے کی اور۔

جمیل : تو کیا انھوں نے جو کچھ کہا ہے عمل اس کے خلاف ہے ؟

رضیہ : یقیناً ! مجھ سے زیادہ تو انھیں آپ عزیز ہیں۔

جمیل : وہ کیسے ؟

رضیہ : آپ کی دولت کے لیے !

جمیل : کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ؟

رضیہ : آزما کر دیکھیے اور یقین مانیے کہ آپ ایک بار جھوٹ موٹ ان سے مجھے مانگیں، وہ ہزار بار آپ کی دولت پر مجھے قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔

جمیل : دولت پر قربان ؟ تو گویا آپ کی مرضی پر نہیں ہے ؟

رضیہ : میری مرضی کی آپ فکر نہ کریں۔

جمیل : آپ کی مرضی ہی تو میرا ایمان ہے۔

رضیہ : شاعری چھوڑیئے - میں نے آپ سے ناول کی باتیں کرنے کو نہیں کہا- حقیقت اور اصلیت پر آئیے -

جمیل : میں اپنے دل کی حقیقت آپ سے بیان کر چکا -

رضیہ : تو پھر کارِ خیر میں دیر کیا ہے ؟

جمیل : یہ کارِ خیر آپ ہی کی مرضی پر منحصر ہے -

رضیہ : میں نے جو کچھ کہا اس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتے ہیں - اپنے منہ سے سب کچھ کہہ چکی - اور کتنا بے شرم بنانا چاہتے ہیں ؟

جمیل : آپ ایسی باتیں نہ کریں - آپ سے یہ باتیں میری چاہت نے کہلوائی ہیں جس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں -

رضیہ : تو آپ اس سے زیادہ بھی کچھ اور آزمانا چاہتے ہیں -

جمیل : ہرگز نہیں ! آپ اطمینان رکھیں - میں آج ہی خان بہادر صاحب سے گفت گو کرتا ہوں -

رضیہ : ضرور ! ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تم سے بڑا مالدار آٹپکے اور لے اڑے - ع

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

جمیل : پھر وہی دل لگی -

رضیہ : دل لگی نہیں جمیل صاحب ! آپ مجھے نہیں سمجھے -

جمیل : تو پھر کچھ سمجھایئے !

رضیہ : مجھے وہ نہ سمجھیے جو نظر آتی ہوں میں بھی حوّا کی ان بیٹیوں میں سے ایک ہوں جو غرض اور مطلب کے لیے سب کچھ پسند کرتی ہیں اگر آپ مجھے اتنا پسند کرتے ہیں تو بس خریداری میں دیر نہ کیجیے -

جمیل: میں خوب سمجھتا ہوں۔ یہ باتیں مجھے آزمانے کے لیے ہیں۔ میں نے اتنے دنوں میں آپ کا ظاہر و باطن سب پرکھ لیا ہے۔

رضیہ: انسان کو اپنے بارے میں بڑے بڑے مغالطے ہوتے ہیں خصوصاً مردوں کو۔

جمیل: لیکن مجھے یقین ہے کہ میں کسی مغالطہ میں نہیں۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

رضیہ: یہی سہی، آپ جو سمجھیں۔

جمیل: رضیہ! اب ہنسی دل لگی چھوڑو اور سچ سچ بتاؤ کہ تم یہ بات دل سے کہہ رہی ہو کہ میں خان بہادر صاحب سے کھل کر باتیں کر لوں۔ یعنی شادی کے بارے میں طے کر لوں۔

رضیہ: یقیناً۔

جمیل: تو پھر تم اجازت دو تو اس مہینے کی کوئی تاریخ ۔ ۔ ۔

رضیہ: میری طرف سے آج۔

جمیل: میری اپنی رضیہ۔ میں کس زبان سے تمھارا شکریہ ادا کروں۔ تو لاؤ ہاتھ طے ہوا۔

رضیہ: (ہاتھ بڑھاتے ہوئے) میں حاضر ہوں۔

جمیل کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔

وہ رضیہ کی کھری کھری باتوں کو دل لگی اور شادی کی گفت گو کو اپنی شدید محبت کا اظہار سمجھ رہا تھا اس لیے خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔

اس نے کہا:

جمیل: پیاری رضیہ! اب دولت کو بھاڑ میں ڈالو' اور میری بات کا صاف صاف جواب دو۔

رضیہ: پوچھیے!

رضیہ نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اور جمیل گھبرا گیا۔

پھر اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا:

جمیل: تمھارے دل میں میری محبت ہے یا نہیں؟

رضیہ: اس کا جواب میرے بس میں نہیں۔

جمیل: محبت نے اتنا بے بس کر دیا ہے گویا۔

رضیہ: جو سمجھو!

جمیل: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں دولت مند نہ ہوتا تو پھر بھی تم میرے ساتھ شادی پر آمادہ ہو جاتیں؟

رضیہ: یہ تو میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ اگر تم غریب ہوتے تو شاید کیا یقیناً میری شادی تمھارے ساتھ نہ ہو سکتی۔

جمیل: کیوں کہ خان بہادر صاحب اجازت نہ دیتے۔

رضیہ: جو سمجھو۔

جمیل: بہر حال میں تمھاری صاف گوئی اور خلوص کا دل سے مدّاح ہوں۔ اور محبت . . . . .

رضیہ: (بات کاٹ کر) جمیل صاحب واقعہ یہ ہے کہ آجکل کی محبت کی میں قائل ہی نہیں۔

جمیل: سمجھ گیا۔ تم سچی اور بے لوث محبّت کی قائل ہو۔

رضیہ : سمجھ اپنی اپنی۔
جمیل : کاش میں تمھاری محبت حاصل کرسکوں۔
رضیہ : شاید تمھاری تعلیم سے حاصل ہو سکے۔ تم سکھا دینا۔
جمیل : ضرور سکھاؤں گا۔ تمھاری پرستش کرکے اس کے بدلے میں تمھارا پیار حاصل کر دوں گا۔
رضیہ : ادیب ہونے کے ساتھ تمھیں اپنے استاد ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔
جمیل : سچی محبت سب کچھ کر سکتی ہے۔
رضیہ : شاید۔ مجھے اس کا تجربہ نہیں۔
جمیل : یہ تجربہ میں تمھیں سکھا دوں گا۔
رضیہ : شکریہ!
جمیل : شکریہ تو میں تمھاری نظرِ کرم کا کرتا ہوں۔
رضیہ : اور میں آپ کی شان و شوکت اور دولت کا۔
جمیل : اب میری ہر چیز کی مالک تم ہو۔
رضیہ : نوازش۔ ابھی تک آپ ہوٹل میں رہتے ہیں؟
جمیل : جی ہاں! لیکن ارادہ ہے کہ خان بہادر صاحب سے اجازت لوں اور تمھاری مرضی ہو تو اس کوٹھی کے ایک حصہ میں آجاؤں۔
رضیہ : میرے خیال میں یہ مناسب نہ ہوگا۔
جمیل : کیوں۔ اس میں کوئی ہرج ہے؟
رضیہ : ڈیڈی کے ساتھ ایک ہی جگہ رہنے میں ہماری آزادی اور اطمینان میں فرق آئے گا۔

جمیل رضیہ کی اس بات کو بھی اپنی بے پناہ محبت پر محمول کرکے

بے حد خوش ہوا۔

اس نے سوچا :

رضیہ میری محبت میں کسی کو اپنا شریک نہیں بنانا چاہتی۔ میرے ساتھ اکیلی رہنا چاہتی ہے تاکہ ہم اپنی بے لوث محبت کا گوشہ عافیت سکون و راحت سے تعمیر کر سکیں۔

اس نے پوچھا :

جمیل : تو پھر تمھاری کیا رائے ہے ؟

رضیہ : میرے خیال میں تم کوئی اچھی کوٹھی کرایہ پر لے لو۔ یا ڈیڈی کسی اور مکان میں چلے جائیں اور تم یہاں پوری کوٹھی میں آ جاؤ۔

جمیل : مگر آپ کی والدہ صاحبہ کی علالت کے دوران ان لوگوں کا کسی اور مکان میں منتقل ہونا مناسب نہیں۔ انھیں تکلیف ہوگی۔ میں آج ہی عزیز سے مل کر کسی اچھی شاندار کوٹھی کا انتظام کرتا ہوں۔

رضیہ : ہاں یہ بہتر ہوگا۔

جمیل : بس ٹھیک ہے۔ میں ابھی جا کر پہلے کوٹھی کا بندوبست کر لوں اس کے بعد خان بہادر صاحب سے بات کر کے تاریخ طے کر لیتا ہوں، تاکہ رخصت کے فوراً بعد ہمیں گھر بنانے میں آسانی ہو۔

اتنے میں خان بہادر صاحب کی آہٹ ہوئی۔

رضیہ نے جلدی سے کہا :

"ڈیڈی آ رہے ہیں تم ابھی ان سے گفت گو کر ہی لو۔ ان کا موڈ بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

جمیل یہ سن کر خوشی سے اور کھل گیا۔ رضیہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں اور خان بہادر اندر آگئے۔

جمیل نے خان بہادر کے بیٹھتے ہی مناسب الفاظ میں اپنی درخواست پیش کر دی۔

خان بہادر نے فوراً کہا :

"بھئی اگر رضیہ کو عذر نہیں تو مجھے بخوشی منظور ہے۔"

جمیل نے کہا :

"اگر مناسب ہو تو آپ مس رضیہ سے دریافت کر لیں۔"

خان بہادر بولے :

"ہاں میں معلوم کر لوں گا۔ میرے خیال میں تو آپ جیسا لائق اور اعلیٰ خاندان رضیہ کے لیے ہر طرح موزوں ہے۔ مجھے تو تمھاری لیاقت، شرافت اور معقولیت پر فخر ہوگا۔"

اور اس کے بعد فوراً خان بہادر دوسرے کمرے میں رضیہ کے پاس گئے دونو باپ بیٹی کے درمیان جو کچھ گفت گو ہوئی ہو مگر وہ تھوڑی دیر میں جمیل کے پاس آئے اور کہنے لگے :

"مسٹر جمیل مبارک ہو۔ رضیہ کی قابلیت سے مجھے یہی امید تھی۔ اس نے آپ جیسے قابلِ قدر انسان کو پسند کر کے میری تعلیم و تربیت کو چار چاند لگا دیے۔ خدا آپ دونوں کو خوش و خرم اور آباد و شاد رکھے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور ہم کس لائق ہیں۔"

جمیل خوشی سے بے تاب تھا۔

اس نے دنیا میں حورِ بہشتی حاصل کر لی تھی۔ اسے اپنی قسمت پر ناز تھا

وہ خان بہادر کا شکریہ ادا کرتا اور ان کی دعاؤں اور نوازشوں کے سہارے اپنے آرام و سکون کی جنّت بنانے کی آرزوئیں کرتا خوش خوش عزیز کی تلاش میں روانہ ہوا۔

جمیل نے باہر نکل کر جب کار اسٹارٹ کی تو مارے خوشی کے اس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔

وہ سیدھا عزیز کی تلاش میں گیا۔ اور اس سے مل کر سارا حال سنایا۔ عزیز نے اسے مبارک باد دی۔ اور خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

جمیل نے مزید کہا:

"عزیز اب تمھاری کیا رائے ہے۔ رضیہ کیسی شریک زندگی ہو گی؟"

عزیز: جیسی سب ہوتی ہیں۔

جمیل: کیا مطلب؟

عزیز: سب عورتیں یکساں ہیں۔ دولت پر مکھیوں کی طرح بھنبھناتی ہیں۔

جمیل: عزیز رضیہ عام عورتوں سے مختلف ہے۔ وہ لالچی نہیں۔ وہ صرف مجھے چاہتی ہے۔ ظاہر داری نہیں کرتی۔ آج تک اس نے مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی۔

عزیز: گویا بہت عقل مند ہے۔

جمیل: عقل مند بھی اور صاف گو، صاف باطن بھی۔

عزیز: بہر حال خوشی کی بات ہے۔ خدا مبارک کرے۔

جمیل: شکریہ!

عزیز: جمیل اگر تمھیں واقعی ایک سچی چاہنے والی بیوی مل جائے تو اس سے بڑھ کر خوش نصیبی دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتی۔

جمیل: اگر بل جائے سے تمھارا مطلب کہ ابھی تم کو اس میں شک ہے اور تمھارے نزدیک رضیہ قابلِ اعتماد لڑکی نہیں۔

عزیز: میں نے کوئی شک شبہ ظاہر نہیں کیا۔ یہ تمھارا اپنا تبصرہ ہے۔

جمیل: تمھاری اس بات سے یہی اظہار ہوتا ہے۔

عزیز: کچھ بھی ہو۔ میں سمجھتا ہوں دنیا میں محبت ایسا خزانہ ہے جس کے لٹنے اور خالی ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں اور پھر ایک وفادار عورت کی پاکیزہ محبّت سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔

جمیل: اور تم دنیا کی تمام عورتوں سے بدگمان ہو، اسی لیے نفرت کرتے ہو۔

عزیز: بے شک کیوں کہ میں عورت ذات میں دنیا بھر کی نیکیاں جمع دیکھنے کا متمنی ہوں۔ نیک عورت بڑی سے بڑی برائی کو ایک نظر سے نیکی میں تبدیل کر سکتی ہے۔ عورت جنّت ہے مگر اس سے بڑھ کر دوزخ بھی کوئی نہیں اور آجکل عموماً دوزخ کے نظارے زیادہ دیکھنے میں آتے ہیں۔

جمیل: تمھارا مزاج بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

عزیز: شاید۔

جمیل: بلکہ یقیناً۔

اس کے بعد جمیل نے ایک نئی کوٹھی خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے اس پر حیرت ظاہر کی کہ اس قدر دولت لٹانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک کوٹھی خرید چکے ہو۔ وہ تم سب کے لیے کافی ہے۔

جب جمیل نے رضیہ کی تجویز بتائی تو وہ عجیب انداز میں ہنسنے لگا۔

اور بولا :

"بہت مخلصانہ تجویز ہے۔"

جمیل نے کہا :

"پھر وہی مشکوک انداز۔"

عزیز بولا :

"یہ تمھارے اپنے شبہات ہیں۔"

جمیل نے کہا :

"تو تمھاری رائے میں نئی کوٹھی خریدنا مناسب نہیں ؟"

عزیز کہنے لگا :

"میرا خیال ہے - باقی تم اپنے معاملات کے خود مختار ہو۔"

جمیل بولا :

"میں ہر معاملہ میں تمھارے مشورے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔"

عزیز نے کہا :

"تو فی الحال کوئی اچھی کوٹھی کرایہ پہ لے لو - اس کے بعد جیسے حالات ہوں گے طے کر لینا۔"

جمیل کو عزیز کی یہ رائے مناسب معلوم ہوئی اور طے پا گیا کہ جلد ہی کسی پرائیویٹ ایجنٹ سے مل کر معقول جگہ کرایہ کے لیے منتخب کر لینی چاہیے۔

یہ گفت گو عزیز کی قیام گاہ پہ ہو رہی تھی۔

جب جمیل نے کہا کہ :

"چلو ابھی چل کر مکان کی تلاش کر لیں۔"

تو عزیز نے عذر کیا کہ :

"میں اس وقت نہیں جا سکتا۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ وقت مقرر کیا ہوا ہے انتظار ہو گا۔"

جمیل: ٹیلی فون سے معذرت کر لو۔ کل وہاں چلے جانا۔

عزیز: نہیں بھئی کام ایسا نہیں کہ ٹالا جائے۔

جمیل: آخر ایسا بھی کیا ضروری ہے۔ معلوم بھی تو ہو' یا کوئی خفیہ بات ہے؟

عزیز: تم سے زیادہ میری خفیہ باتیں سننے والا کون ہے!

جمیل: تو پھر سناؤ نا کیا معاملہ ہے؟

عزیز: تمہارا ہی معاملہ ہے اس لیے جتانا نہیں چاہتا تھا۔

جمیل: کون سا معاملہ؟

عزیز: بھئی مجھے معلوم ہوا ایک اخبار میں تمہارے ناول پر ریویو چھپنے والا ہے۔ مجھے تمہارے پبلشر نے بتایا ہے۔

جمیل: تو کیا ہرج ہے؟

عزیز: بدنامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

جمیل: یعنی ریویو میرے خلاف ہو گا۔

عزیز: اور کیا۔ سنا ہے اڈیٹر صاحب نے بہت سخت مخالفانہ تنقید لکھی ہے اور اسی ہفتہ شائع کر رہے ہیں۔

جمیل: تو پھر؟

عزیز: میں نے ان سے بات کر لی ہے اور اس وقت وہی معاملہ طے کرنے ان سے ملنا ہے۔

جمیل: کیا طے ہوا ہے؟

عزیز : کہ وہ مخالفانہ تنقید میرے حوالے کر دیں گے اور اس کے بجائے شاندار الفاظ میں تعریفی ریویو چھاپیں گے ۔

جمیل : یہ کیوں کر ہوا ؟

عزیز : پانچ سو روپے طے ہوئے ہیں ۔

(بٹوا دکھا کر) :

یہ نوٹ ان کی نذر کروں گا اور سب ٹھیک ہے ۔

جمیل یہ سن کر دنگ رہ گیا ۔

عزیز کے خلوص کی اسے اور زیادہ قدر ہوئی کہ میری لاعلمی میں یہ میرے لیے قربانی دے رہا ہے ۔

کہنے لگا :

"عزیز تمھاری اس نوازش کا شکریہ تو میں ادا کر ہی نہیں سکتا ۔ یہ مزید تکلیف کی تمھیں ضرورت نہیں یہ رقم میں پیش کروں گا۔"

عزیز نے کہا :

" وہی تکلّف اور غیریت ! آخر اس میں کیا فرق ہے ۔ کیا تمھارے نوٹ اس سے زیادہ قیمتی ہوں گے ۔ میں نے اس سے طے کیا ہے مجھے میرا فرض ادا کرنے دو ۔ تمھارا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔"

جمیل نے بہت اصرار کیا ۔

مگر عزیز کسی طرح رضامند نہ ہوا ۔

جمیل کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ ایک نامی اخبار کا اڈیٹر پانچ سو روپیہ لے کر اس کے خلاف تنقید چھاپنے کے بدلے تعریف شائع کرنے کو تیار ہے ۔

عزیز نے اسے بتایا کہ :

"یہ معمولی بات ہے اب اخبار نویسی اسی انداز کی ہے۔ سچی تنقید کہیں نہیں۔ ذرا کسی سے مخالفت ہو گئی یا ناواقفیت ہے تو سخت سے سخت ریویو چھاپ دیا اور کسی اثر و رسوخ یا دوستی کا تعلق ہے تو جھوٹی تعریفوں کے پل باندھ دیے یا روپیہ پیسہ کا لالچ ہو تو بری سے بری چیز کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیتے ہیں۔"

اس نے کہا :

"مگر جو صحیح معنوں میں صحافت نگار ہیں ان کا یہ شیوہ نہیں۔ وہ ہر حالت میں کھری بات کہتے ہیں خواہ دوست ہو یا دشمن، غریب ہو یا امیر۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ عام طور پہ اخباروں رسالوں کے اڈیٹر اور پبلشر صاحبان شہرت سے بھی مرعوب ہوتے ہیں۔ کسی کم شہرت یافتہ یا نئے مصنّف کی کتاب ہو تو الٹی سیدھی بے پر کی اڑا دیں گے مگر مشہور ادیب اور مصنف کی ہر اچھی بری کتاب کی مدح سرائی کریں گے۔ اب یہاں ایک مشہور ناول نگار ہیں۔ لطیف عالم آبادی۔ ان کے ناول عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ ان کی ہر کتاب چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہے۔ اس لیے ہر پبلشر اس کھوج میں رہتا ہے کہ جس طرح ہو سکے ان کی کوئی نئی تصنیف ہاتھ لگے اور دولت کمائے۔ اخبارات و رسائل میں ان کے ہر ناول کی لمبی چوڑی تعریفیں چھپتی ہیں۔"

جمیل نے کہا :

"میں نے بھی یہ نام سنا ہے۔ کئی پبلشر اس شخص کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں اس کے ناولوں میں کیا ہوتا ہے اور کیوں اتنا مقبول ہے۔"

عزیز : میں نے ان کے دو چار ناول پڑھے ہیں اچھا لکھنے والے ہیں ۔

جمیل : کیا بکواس ہوگی ۔ دیکھوں گا میں بھی اور پھر ان پر سخت تنقید لکھوں گا ۔

عزیز : اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے ۔ لوگ کہیں گے اس کی قبولیت اور شہرت سے جل کر لکھا ہے ۔

جمیل : جو کچھ ہو مگر میں ضرور لکھوں گا اور چیتھڑے اڑا ڈالوں گا ۔ بڑا مشہور مصنف بنا پھرتا ہے ۔

عزیز : یہ حسد ہے جو ایک سنجیدہ ادیب کی شان کے خلاف ہے اور اس کی شہرت میں اس سے کوئی فرق نہیں آ سکتا ۔

جمیل : عزیز آخر یہ عوام کا مذاق کیا ہے کہ جہاں ایک مصنّف کے چار پانچ ناول چھپ گئے اور اسے نامی گرامی سمجھ لیا ۔ یا جنسی تعلقات کے ہیجانی قصّے لکھ دیے بس مقبول ناول نگار بن گئے اور ہر طرف تعریفیں ہونے لگیں ۔

عزیز : مگر تمھارا اس میں کیا بگڑتا ہے اگر کسی کی تعریف یا شہرت ہو تو اس سے تمھاری برائی کا تو کوئی پہلو نہیں نکلتا ۔

جمیل : زمانہ کی ناقدر شناسی اور حماقت پر غصہ تو آتا ہے ۔

عزیز : جو لوگ تعمیری کام کے قائل ہیں وہ صرف اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں ۔ انھیں دوسروں کی اچھائی برائی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ۔

جمیل : خیر ایک بار تو میں اس شہرہ آفاق ناول نویس کو نیچا دکھا کر ہی رہوں گا ۔

عزیز : جو تمھاری مرضی ۔ میں چلتا ہوں ۔ دیر ہو رہی ہے ۔

جمیل : چلو میں تمھیں پہنچا دوں ۔

یہ دونوں روانہ ہوئے۔

عزیز کو جس اخبار کے دفتر جانا تھا چلا گیا اور جمیل پر لطیف کی مخالفت کا جو بھوت سوار تھا وہ اسے ساتھ لیے بازار پہنچا اور وہاں سے لطیف عالم آبادی کے چار ناول خرید کر لے آیا۔ اس کی طبیعت میں یہ دیکھ کر اور بھی اشتعال پیدا ہوا کہ جس دکان پر دریافت کیا کہ لطیف عالم آبادی کا کوئی ناول ہے تو معلوم ہوا تین درجن ناول موجود ہیں کون سا چاہیے۔

جمیل کا یہ جذبہ اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ لیکن ایک مصنّف کی حیثیت سے وہ اپنی پہلی تصنیف کو آسمان شہرت پر چمکتے اور دوسرے مصنّفین کے جگمگاتے ستاروں کو ماند ہوتے دیکھنے کا خواہش مند تھا اسی لیے وہ نئے مصنّفین کی طرح اپنی تمام صلاحیتیں کام میں لا کر لطیف کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا۔

عزیز اور جمیل نے پچھلے چند دنوں میں شب و روز ساتھ ہی گزارے کیوں کہ جمیل کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ڈیوس روڈ پر ایک شاندار کوٹھی کرایہ پر لے لی گئی۔ اس کا باغیچہ نہایت خوشنما اور پر بہار تھا۔ ہر قسم کا سامان آرائش خرید کر تمام کمرے نہایت سلیقہ سے سجا دیے گئے۔ بجلی وغیرہ کی درستی کرائی گئی اور رنگ روغن ہو کر ساری کوٹھی دلہن کی طرح نئی سج دھج میں نظر آنے لگی۔

جمیل چاہتا تھا کہ جب وہ اپنی حور تمثال دلہن کو بیاہ کر لائے تو کوٹھی کا گوشہ گوشہ فردوس کا نمونہ بنا ہوا ہو۔ اس سجاوٹ پر بے دریغ ہزاروں روپیہ صرف کیا گیا۔

عزیز نے اپنے حسنِ ذوق کا ثبوت دے کر آراستگی میں وہ شان اور سلیقہ پیدا کیا کہ پرستان کا نمونہ نظر آنے لگا۔

اسی عرصہ میں جمیل کے ناول اور اس کی ادبیت پر ایک شاندار مضمون اخبار میں شائع ہوا، اور ادبی حلقوں میں جمیل اچھی طرح متعارف ہو گیا۔ اور انھیں دنوں میں اس نے لطیف عالم آبادی کے ناول پڑھ کر بڑی ہٹ دھرمی اور ناانصافی سے ایک تبصرہ اس کے خلاف لکھا جو عزیز کی معرفت اسی اخبار میں شائع ہوا جس میں اس کی اپنی تعریف چھپی تھی کیوں کہ عزیز اپنے طور پر اڈیٹر سے خوشگوار تعلقات ہموار کر چکا تھا۔

اگلے دن عزیز اور جمیل ڈیوس روڈ گئے کہ تمام سامان کا جائزہ لے کر

دیکھا جائے کہ جس چیز کی کمی ہو اسے پورا کریں کیوں کہ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔

یہ دونو کوٹھی کے پاس پہنچ کر کار سے اترے۔

وہ ٹہلتے ہوئے کوٹھی کی طرف جانے لگے تو راستہ میں ایک خوش پوش شخص ملا جس نے عزیز کو سلام کر کے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔

عزیز نے سلام کا جواب دے کر جمیل سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا :

"لطیف عالم آبادی صاحب سے ملیے۔ اور لطیف صاحب یہ ہیں میرے مخلص دوست جمیل احمد۔ آپ دونو ادیب ایک دوسرے سے مل کر یقیناً محظوظ ہوں گے۔"

جمیل گھبرا گیا۔

وہ اس اچانک ملاقات کے لیے آمادہ نہ تھا۔

چند روز پہلے اس کی مخالفانہ تنقید چھپ چکی تھی اس کے علاوہ وہ لطیف کے نام سے ہی خواہ مخواہ جلتا تھا۔

لیکن اس کو حیرت ہوئی کہ لطیف نے نہایت خندہ پیشانی اور انکسار سے ہاتھ ملا کر مزاج پرسی کی۔

اور پوچھا کہ :

"خیریت ہے آپ حضرات یہاں کسی سے ملنے آئے ہیں ؟"

عزیز نے ہنس کر کہا :

"آپ ہی سے ملنے چلے آئے۔"

اور وہ بولا :

"زہے نصیب، تشریف لائیے!"

حالاں کہ عزیز کو بھی معلوم نہ تھا کہ لطیف اسی جگہ رہتا ہے۔

اس نے پوچھا:

"کیا واقعی آپ کا دولت خانہ یہیں ہے؟"

لطیف نے ایک مختصر مگر خوش نما بنگلہ کی طرف اشارہ کرکے کہا:

"جی ہاں! وہ سامنے ہی تو میری جھونپڑی ہے۔"

جمیل یہ سن کر کچھ منغض سا ہو گیا کہ جس شخص سے مجھے اتنی نفرت ہے اور جس کی مخالفت کا تہیہ میں بیڑا اٹھا چکا ہوں اس کا ہمسایہ بن کر رہنا ہے۔

عزیز نے لطیف کو بتایا کہ:

"اصل واقعہ یہ ہے کہ جمیل صاحب نے یہ سامنے کی کوٹھی کرایہ پر لی ہے ہم اسے دیکھنے آئے ہیں تاکہ کل پرسوں تک منتقل ہو جائیں۔"

لطیف کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے واقعی یہ سن کر مسرت ہوئی جس کا اظہار اس نے بڑی گرم جوشی سے کیا۔ اور بڑے اصرار سے اپنے مکان پر چلنے کی درخواست کی۔

جمیل جانا نہ چاہتا تھا مگر لطیف کے بار بار کہنے سے عزیز نے اسے اشارہ کیا اور دونوں لطیف کے مکان پر پہنچے۔

جمیل کو وہاں پہنچ کر اور بھی تعجب ہوا کہ یہ چھوٹا سا بنگلہ اس خوب صورتی سے سجا ہوا تھا اور اس کے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ میں وہ سلیقہ نمایاں تھا کہ بڑے سے بڑے عالیشان محل میں نہ ہو گا۔ اس قدر نفاست اور صفائی تھی کہ انسان دیکھ کر خوش ہو جائے۔

مختصر سا باغیچہ بھی تھا جو اپنی خوشنمائی میں اپنی مثال آپ تھا اور پھر ان

سب پر لطیف کا اخلاق اور تپاک جس نے ذرا دیر میں جمیل کو حد سے زیادہ متاثر کیا۔

وہ سوچنے لگا کہ :

یہ آدمی تو واقعی فرشتہ صفت ہے۔

حقیقت میں ایک ادیب میں یہی صفات ہونی چاہئیں۔

لطیف نے ان دونو کا شکریہ ادا کیا کہ :

"آپ نے غریب خانہ پر تشریف لا کر میری عزت افزائی کی"۔

اور پھر جمیل کو اس شاندار کوٹھی کی رہائش کے لیے مبارک باد دینے لگا۔

عزیز نے بتایا کہ :

"عنقریب ان کی شادی خان بہادر احمد بخش کی دختر نیک اختر سے ہونے والی ہے۔ یہ سب اسی کی تیاری ہے"۔

لطیف نے خوش ہو کر مزید مبارک باد پیش کی۔

اور کہنے لگا :

"آپ کی خوش نصیبی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ خدا نے آپ کو ہمہ صفت موصوف کیا ہے۔ دولت، ثروت، شان و شوکت اور پھر ادبی شہرت سے کامل طور پر متمتع ہیں۔ میں آپ کا پہلا ناول ہی پڑھ کر آپ کی ادبی صلاحیتوں کا دلی مدّاح ہوں۔ بہت خوب لکھتے ہیں آپ"۔

جمیل ان باتوں سے بے حد نادم ہو رہا تھا۔

اسے اپنے اور لطیف کے خیالات و جذبات کا مقابلہ کر کے دل ہی دل میں شرمندگی ہو رہی تھی۔

عزیز نے کہا :

"لطیف صاحب ! ہمارے دوست جمیل صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں آپ رفتہ رفتہ ان سے واقف ہوں گے تو یقیناً اور خوش ہوں گے۔"

لطیف نے کہا :

"میں تو اپنے ناولوں پر جمیل صاحب کی تنقید پڑھ کر ہی ان کی فنّی و علمی بصیرت کا معترف ہوں۔ آپ نے بڑی فیاضی سے میرے بارے میں لکھا ہے کہ میں ناول نگار نہیں ہوں بلکہ ایک ادنیٰ نثر نویس ہوں ۔میرے لیے جو اپنے کو حقیقت میں غلط نویس سمجھتا ہے آپ جیسے فاضل نقّاد کی یہ رائے بھی ایک اعلیٰ سند ہے۔"

اور جمیل پر ان باتوں سے گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ وہ شرم و ندامت سے گڑھا جا رہا تھا۔

اس نے کہا :

"اس ذکر سے آپ مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔ دراصل یہ میری پہلی تنقید تھی۔ معلوم نہیں رو میں کیا کچھ بک گیا۔"

لطیف بولا :

"نہیں صاحب شرمندہ نہیں ! میں تو آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے میرے عیبوں سے آگاہ کیا۔ دراصل میں ٹوٹی پھوٹی عبارت میں یونہی الٹے سیدھے ناول لکھ کر پیٹ کا دھندا کرتا ہوں۔ ان پڑھ عوام انھیں نہ جانے کیوں پسند کر لیتے ہیں اور پبلشروں کو اپنی تجارت کے لیے انھیں چھاپنا پڑتا ہے۔ اس سے زیادہ میری کوئی حقیقت نہیں۔"

جمیل نے کہا :

"معاف کیجیے آپ کی اصلی حقیقت سے میں آج واقف ہوا۔ آپ تو

مجسّم خلوص و دیانت ہیں۔ کیوں عزیز!"

عزیز بولا:

"در اصل دو ادیب جب ملتے ہیں تو اسی قسم کی راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ آپ دونوں اپنے اپنے ادیبانہ نکات حل کر رہے ہیں۔ بھلا یہ خاکسار کیا ہے۔"

لطیف نے جمیل و عزیز کی بڑی خاطر مدارات کی۔

بڑی پرتکلّف چائے سے تواضع کی۔

اور پھر اپنا بنگلہ دکھایا۔

جمیل اس کے سلیقہ اور قرینہ سے بہت متاثر ہوا۔ خصوصاً باغیچہ کے رنگا رنگ پھولوں نے اس کی روح کو تر و تازہ کر دیا۔

معلوم ہوا کہ لطیف شادی شدہ نہیں ہے۔ ایک ملازم کے ساتھ اس خوشنما مختصر بنگلہ میں اس کی رہائش ہے۔ جس کی آرائش سادگی اور پرکاری میں دل بہلاتا اور لکھنے پڑھنے میں زندگی گزارتا ہے۔

اس کی باتوں اور انداز سے معلوم ہوتا تھا اس کی زندگی بڑے آرام و سکون سے بسر ہو رہی تھی۔ اور وہ پوری طرح مطمئن نظر آتا تھا۔

عزیز اور جمیل نے اس کی ہر ہر بات کی تعریف کی۔

وہ کہنے لگا:

"صاحب بات یہ ہے کہ میں ایک درویش صفت آدمی ہوں مگر جاہل ہونے کے باوجود خدا نے مجھے نکمّا نہیں بنایا، میں تہ دل سے اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کے فضل و کرم سے پیٹ بھر روٹی اور تن پوشی کے لائق کپڑا ملتا ہے۔ یہ چھوٹی سی کٹیا عطا کی ہے جس میں بڑی فراغت سے گزر بسر ہوتی

ہے۔ ممکن ہے میرے پاس زیادہ دولت اور ساز و سامان ہوتا تو میں مغرور اور کاہل ہو جاتا۔ لیکن اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اس قسم کی ہر برائی سے مبرّا رکھا ہے۔"

عزیز بولا :

"لطیف صاحب ! آپ سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ آپ سے زیادہ فراغت تو شاید ہی کسی انسان کو میسّر ہو۔"

لطیف نے کہا :

"بھائی صاحب ! میں اس قادر و قیوّم کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا جس نے مجھے قلبی سکون و اطمینان کی بیش بہا دولت عطا کی ہے اور میں اسی پر قانع ہوں اسی کی ذات پر میرا بھروسہ ہے اور وہی میرا سب سے بڑا امدادگار ہے۔"

جمیل پر ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ گم سم ہو کر سنتا رہا۔ اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا۔

پھر یہ تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

جمیل نے کہا :

"مجھے تو آج سب سے بڑی مسرت یہ ہے کہ آپ کی قربت کا شرف حاصل ہوا۔"

لطیف نے نہایت انکسار سے کہا :

"یہ تو آپ میری عزت افزائی کے لیے فرما رہے ہیں۔ مسرت تو مجھے ہے کہ ایک فاضل نقاد اور لائق مصنّف کی ہمسائیگی کی عزت حاصل کروں گا۔"

جمیل نے ندامت سے اپنی نادانی کی معافی مانگی کہ :

" مجھ سے جو غلط فہمی میں حماقت ہو چکی ہے۔ آپ اس کا خیال نہ کریں۔ ہم آج سے مخلص دوست ہیں۔"

اور لطیف نے اسے یقین دلایا کہ :

" میرے دل میں ذرا بھی خیال نہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کا خادم ہوں۔"

اس کے بعد سب رخصت ہوئے۔

لطیف، جمیل اور عزیز کو باہر تک پہنچا کر خدا حافظ کہہ کے اپنے گھر آ گیا اور وہ دونو اپنی کوٹھی میں چلے گئے۔

عزیز نے جمیل سے پوچھا :

" اب کیا خیال ہے آپ کا ؟"

جمیل نے کہا :

" کس بارے میں ؟"

عزیز بولا :

" لطیف کے بارے میں !"

جمیل نے کہا :

" نہایت لاجواب انسان ہے۔ مخلص اور نیک دل نیک مزاج۔"

عزیز نے مسکرا کر کہا :

" چلو قائل تو ہوئے۔"

جمیل بولا :

" واقعی لطیف کو میں نے ہمہ صفت موصوف پایا۔"

عزیز نے کہا :

"یہ وہ شخص ہے جس نے قناعت کا چراغ دل میں روشن کر کے اپنے ضمیر اور نفس کو منوّر کر رکھا ہے۔ دنیا کی کوئی برائی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ شیطان کا اس کے گوشہ میں گزر ہی نہیں ہو سکتا۔ سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہے۔ اس کی قبولیت اور شہرت کو کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی ٹھیس نہیں پہنچا سکتی۔"

اور —

جمیل نے اس خیال کی تائید کی۔

رنگ و نور اور نشاط و سرور کا ایک ہنگامہ زار برپا تھا۔
یہ جمیل کی شادی کی تقریب تھی۔
تین دن تک رقص و نغمہ کی محفلیں سجی رہیں۔
تمام معززینِ شہر مدعو تھے۔
ہر روز مکلف دعوتیں ہوتی رہیں۔
جمیل اور خان بہادر کی کوٹھیاں دلہن کی طرح آراستہ ہوئیں۔
باغیچہ اور صحن بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔
چپہ چپہ منوّر نظر آتا تھا۔
راتیں دن سے زیادہ روشن تھیں۔
عیش و طرب اور ساز و سامان کی یہ ارزانی دیکھ کر چشمِ فلک کو بھی حیرت تھی۔
خان بہادر مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف ہنستے کھل کھلاتے پھر رہے تھے۔ ان کو جمیل کی مانند لائق اور اعلیٰ خاندان رئیس داماد ملنا دشوار تھا۔
جمیل کی مسرت کا کیا پوچھنا۔
وہ تو ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے بہشت ایک حور کو لے کر اس کی قسمت کے لیے زمین پہ اتر آئی ہے۔

عزیزؔ اس مجلس کا سب سے بڑا کارکن تھا۔

لطیفؔ عالم آبادی کو جمیلؔ نے خاص طور پر مدعو کیا تھا۔

بہت سے شاعروں نے سہرے لکھ کر طوائفوں کو یاد کرائے تھے، جو دھوم دھام کے ساتھ گائے گئے۔

غرض ایک طوفانِ طرب تھا جو دونو گھروں پر مسرتوں کی بارشیں کر رہا تھا روزانہ بزمِ سرود شروع ہونے سے پہلے کئی گھنٹے اقسام اقسام کی آتش بازیاں چھوٹتی رہیں۔

آخر تین دن بعد بینڈ باجوں کے غلغلہ کے ساتھ برات بڑی شان و شوکت سے رخصت ہو کر جمیلؔ کی کوٹھی روانہ ہوئی۔

عروس اور نوشاہ کی موٹر کار موتیوں کے ہاروں سے جگمگا رہی تھی۔

اس طرح !

رضیہ بانو شاہانہ اہتمام سے جمیلؔ کی دلہن بن کر اس کے گھر آ گئی اور جمیلؔ کی کشتِ امید میں بہار آ گئی۔

بعد ازاں دعوتِ ولیمہ میں بھی اسی انداز کی دعوتیں اور محفلیں منعقد ہوئیں۔ اور جمیلؔ عیش و نشاط کے سیلاب میں غرق ہو کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔

کئی روز بعد عزیزؔ نے جمیلؔ سے رخصت کی اجازت مانگی کیوں کہ شادی کی تیاری شروع ہونے سے لے کر ولیمہ تک وہ جمیلؔ کی کوٹھی میں ہی مقیم تھا جمیلؔ کو اس کی جدائی شاق تھی۔

اصرار کرنے لگا کہ :

"ابھی تم نہیں جا سکتے۔"

مگر عزیز نے کہا کہ :

"میں سیلانی آدمی - ایک جگہ زیادہ عرصہ مقیم رہنا میرے لیے مقید ہو جانا ہے۔ اس کے علاوہ اب تم اپنی مراد کو پہنچے۔ گھر بس گیا۔ دونو میاں بیوی عیش و مسرت کی زندگی گزارو۔"

جمیل بولا :

"مگر میری مسرت تمھارے بغیر ادھوری ہے۔ تم اب میری زندگی کے ایک اہم حصہ دار بن چکے ہو۔ میں تم کو نہیں جانے دوں گا۔"

عزیز نے کہا :

"جمیل تم جذباتی نہ ہو۔ یہ دنیا ہے۔ اس وسیع کوٹھی میں تم دو میاں بیوی ہو۔ نئی نویلی دلہن کی ناز برداریاں تمھارا فرض اور اس کا حق ہے۔ اس زندگی میں کسی اپنے پرائے کی شرکت مناسب نہیں۔ پھر ہزار منہ ہزار باتیں۔ کسی دوسرے مرد کا اب اس مکان میں موجود ہونا موزوں نہیں۔ جوان عورت نامحرم مرد کے ساتھ رہے تو لوگ طرح طرح کی افسانہ طرازیاں کرتے ہیں۔ کسی کسی کی زبانیں بند کی جا سکتی ہیں۔"

جمیل بولا :

"مجھے دنیا اور دنیا والوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ جس کا جو جی چاہے بکواس کرے۔ تم اس قسم کی باتیں کر کے میرے اور اپنے اعتماد کی توہین کرتے ہو۔ اور مجھے اس قدر کمینہ سمجھتے ہو کہ میں لوگوں کی بے ہودہ باتوں کی پرواہ کروں گا۔"

عزیز نے کہا :

"جمیل میں پھر کہتا ہوں تم جذبات کی رَو میں نہ بہو۔ میں تمھارے خلوص کا

قائل ہوں۔ مگر ابھی تم کو دنیا کا تجربہ نہیں۔ مجھے اب یہاں سے قطعاً چلا جانا ہی چاہیے۔ تمھاری مسرتیں تمھیں مبارک ہوں۔ خدا کرے تمھاری محبت پروان چڑھے اور سازگار ہو۔"

جمیل بولا :

"اچھا چند روز اور ٹھہرو پھر چلے جانا۔"

عزیز نے کہا :

"دیکھو تم ضد نہ کرو۔ مجھے اب اجازت دو۔"

اس دوران میں رضیہ وہاں آ گئی۔

اور ان دونو کو بیٹھا دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی :

"یہ کیا مشورے ہو رہے ہیں آپ لوگوں میں ؟"

جمیل : عزیز صاحب کے تیور کچھ بگڑے نظر آ رہے ہیں۔"

رضیہ : کیوں خیریت ؟

جمیل : پوچھو ان سے۔

رضیہ : کیوں عزیز صاحب ! کیا کوئی راز کی بات ہے ؟

عزیز : جی نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔

رضیہ : کوئی خفیہ معاملہ ہوا تا جو ہمیں بتانے کا نہیں۔

جمیل : تشریف لے جانے کو کہہ رہے ہیں۔

رضیہ : تشریف کہاں ؟

جمیل : جہاں سینگ سمائے۔

رضیہ : کیوں عزیز صاحب !

عزیز : جی ہاں !

رضیہ : (مسکرا کر) تو آپ کے سینگ ایسے بڑے ہو گئے کہ یہاں نہیں سما سکتے ؟

جمیل : میں یہی تو کہہ رہا ہوں ۔

رضیہ : نہیں جناب آپ یہاں سے نہیں جائیں گے ۔

جمیل : اب فرمایئے حضرت !

رضیہ : فرمائیں گے کیا ۔ اگر سینگ بڑے ہی ہو گئے ہیں تو کچھ کٹوا دیے جائیں گے ۔

عزیز : شکریہ بیگم صاحبہ ! لیکن میری پرواز کا کوئی ٹھکانہ نہیں ۔ آج اس ڈال پر تو کل اُس ڈال پر ۔ سینگ کٹوانے سے کام نہیں چلے گا ۔

رضیہ : اوہو ! تو آپ کے پر بھی نکل آئے ہیں ۔ پھر تو ۔ ۔ ۔ ۔

جمیل : قینچ کرانا پڑیں گے ، یہی نا !

رضیہ : اور کیا ۔

عزیز : جو آپ کا جی چاہے کہیں لیکن مجھے کل چلا جانا ہے ۔

رضیہ عزیز کی زبان سے رخصت کا اصرار سن کر پریشان نظر آنے لگی ۔
عزیز یہ کہہ کر باہر چلا گیا کہ :
" مجھے تھوڑی دیر کے لیے جانا ہے ۔ کچھ لوگوں سے مل کر آتا ہوں " ۔
جمیل نے کہا :
" گاڑی لے جاؤ " ۔
مگر وہ ٹال گیا ۔
اس کے جانے کے بعد رضیہ اور جمیل خاموش بیٹھے رہے ۔ رضیہ کھوئی کھوئی

اور اداس تھی۔

جمیل نے سلسلۂ کلام چھیڑا۔

اور سیر کو چلنے کے لیے کہا۔

لیکن اس نے "طبیعت نہیں چاہتی" کہہ کر عذر کر دیا۔ اور چپ چاپ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر چلی گئی۔

عزیز کے رخصت ہونے کے خیال سے جمیل بھی مکدّر تھا۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا اور باہر لان میں ٹہلنے چلا گیا۔

اس نے دیکھا کہ:

رضیہ بھی وہاں آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہی ہے جیسے کسی دھیان میں کھوئی ہوئی ہے۔

وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ٹہلنے لگا۔

مگر دونوں پر سکوت طاری تھا۔

آپس میں کوئی بات نہ ہوئی۔

کچھ دیر بعد رضیہ وہاں سے بھی چلی گئی۔ معلوم ہوتا تھا وہ تنہائی چاہتی ہے۔

جمیل اکیلا وہیں گھومتا رہا۔

رات کو عزیز واپس آیا تو تینوں نے مل کر کھانا کھایا مگر عزیز کی جدائی کی افسردگی ایسی تھی کہ کھانے میں نہایت بے لطفی رہی۔

کھانے کے بعد سب اٹھے تو رضیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جمیل نے ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا تو اس نے دردِ سر کا بہانہ کر دیا۔

عزیز اور جمیل دونو آدھی رات تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اور پھر اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے۔

رات کیسے گزری ؟

یہ تو گزارنے والوں کے دل جانتے ہوں گے۔

لیکن صبح سب سو کر اٹھے تو سب سے زیادہ مضمحل صورت رضیہ کی تھی۔

عزیز ہشاش بشاش نظر آتا تھا۔

جمیل بھی اس کی روانگی سے رنجیدہ تھا۔

عزیز نے ناشتہ کے بعد سامان بندھوایا اور جمیل و رضیہ اس کو اسٹیشن پہنچا کر خدا حافظ کہہ آئے۔

پھر سارا دن عجیب اداسی سی رہی۔

جمیل نے دو ایک بار عزیز کی جدائی کا ذکر کیا تو رضیہ نے منہ بنا کر کہہ دیا :

" آپ کے مخلص دوست ہیں آپ کو صدمہ ہو گا۔ مجھے کیا۔"

اور جب جمیل نے کہا کہ :

" عزیز کی موجودگی سے خاصا دلچسپ ہنگامہ رہتا تھا۔"

تو اس پر اس نے آہستہ سے کہا :

" ہاں آدمی دلچسپ ہیں۔"

جمیل کو پہلے تو شبہ ہوا تھا کہ رضیہ عزیز کی رخصت سے ملول اور افسردہ ہے۔

لیکن اس کے انداز اور گفت گو سے اب اس کا یہ شک دور ہو گیا اور وہ اس کی اداسی اور مضمحل حالت کو محض اتفاقیہ کیفیت سمجھنے لگا۔

دن گزرا۔

پھر کئی دن گزر گئے۔

اور وقت کی گردشیں دن اور رات کے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی حسبِ معمول بدلتی رہیں!

چند روز جمیل رضیہ کے ساتھ عیش و عشرت میں بسر کرتا رہا۔
رفتہ رفتہ وہ شوق و مستی میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو کر سیر و تفریح شراب نوشی اور عیش و آرام میں شب و روز بسر کرنے لگا۔ وہ ہر آن رضیہ کی خوشنودی کا خواہاں رہتا۔
روزانہ شام کو دونو کلب جاتے اور آدھی رات تک کھیل تفریح، ہنسی دل لگی میں گزار کر گھر آتے۔
جمیل دوستوں کے ساتھ مے نوشی، برج اور فلاش میں وقت گزارتا اور رضیہ اس سے علیحدہ اپنے احباب کے ساتھ اپنی مرضی کے کھیل کھیلتی۔ دونو ایکدوسرے سے غافل اپنے اپنے حال میں مست مگن تھے۔
پہلے تو جمیل کو بہت کم رضیہ کے کسی رویہ پر اعتراض کا موقع ملتا۔ اسے ہوش ہی کم ہوتا جو اس قسم کی باتوں پہ دھیان دے۔ لیکن اگر کسی وقت وہ اس کی حد سے بڑھنے والی آزادروی پر ٹوکتا تو وہ کبھی طنز سے کبھی سختی سے اسے یہ کہہ کر سرزنش کرتی کہ اگر آپ کو اپنے دقیانوسی خیالات کا اتنا لحاظ تھا تو مہذّب سوسائٹی اور تعلیم یافتہ افراد کی محفلوں میں بیٹھنے اور مجھے لانے کی کیا ضرورت تھی۔ کلب بھر میں اتنے مرد عورت ہیں کوئی شوہر بھی اپنی بیوی کی کسی بات پر اعتراض کرتا ہے ؟ اگر سوسائٹی میں رہنا ہے تو مہذب لوگوں کے طور طریق پر چلنا پڑے گا ورنہ یہ محفلیں چھوڑ دو۔

جمیل یہ سن کر سوچنے لگتا کہ :

"واقعی آجکل کی روشن خیالی اور جدید تہذیب میں تو یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ میرے دماغ میں پرانی تہذیب کے شک و شبہات ہیں انھیں اب خیرباد کہہ دینا ہوگا ورنہ رضیہ ٹھیک کہتی ہے کہ لوگ ہمیں اس سوسائٹی کے افراد نہ سمجھیں گے دولت کی تو شان ہی یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی آزادی کو گوارا کریں۔ یہی زندگی ہے اور اس کے لذائذ حاصل کرنے کے طریقے بھی یہی ہیں۔"

چنانچہ جمیل سوسائٹی کی تمام مہذّب بے حیائی اور بے شرمی کا عادی ہو گیا۔ اور ہر طرح دادِ عیش دینے کو اپنی زندگی کے آرام و سکون کا منشا بنا لیا۔

اس عرصہ میں عذرا بیگم نے وفات پائی۔

لیکن رضیہ کو قطعاً رنج نہ ہوا۔

جمیل کو اس سے سخت تعجب تھا۔

شاہینہ اور خان بہادر کے انداز سے بھی غم کے کوئی آثار نہیں پائے گئے۔

جب جمیل نے رضیہ سے ہمدردی کا اظہار کر کے اسے تسلّی دی۔

اور کہا :

"بڑا افسوس ہے۔"

تو اس نے نہایت بے باکی سے کہا :

"افسوس کی کیا بات ہے۔ ایک موت تو سب کے لیے ہے اور ان کو تو

زندگی کے عذاب سے نجات مل گئی۔ جس بیماری کی شدید تکلیف برداشت کر رہی تھیں اس کا علاج صرف موت ہی تھی۔"

جمیل نے کہا :

"خان بہادر صاحب کو تو ضرور صدمہ ہوا ہو گا ؟"

رضیہ بولی :

"کس چیز کا صدمہ - وہ کب سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے۔"

جمیل نے حیران ہو کر پوچھا :

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو - بیوی کی موت کا کون انتظار کرے گا۔"

رضیہ نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا :

"بیوی کی موت کا اس لیے کہ شاہینہ آنٹی سے شادی کرنے کا انتظار تھا۔"

جمیل تو اس بات سے ششدر رہ گیا۔

اسے اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا :

رضیہ نے پھر کہا :

"شاہینہ اور ڈیڈی جانے کب سے اس وقت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔"

جمیل سوچتا رہ گیا کہ :

یہ کس قماش کا گھرانا ہے اور اب خدا جانے رضیہ کا کیا بنے گا۔ کیا روش اختیار کرے گی۔

لیکن وہ بیوی سے شدید محبت کرتا تھا۔ اس لیے اس کی اپنی ماں کے بارے میں ایسی باتیں اور خالہ اور باپ کا اس طنزیہ انداز میں ذکر سن کر

سراسیمہ اور متوحش ہونے کے باوجود اپنے دل کو سمجھانے پر مجبور تھا۔ جو نفرت اس خاندان سے اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ وہ رضیہ کی کڑی نگرانی کرے بلکہ اس سے بھی نفرت کرنے لگے۔ لیکن اسے اپنی بے پناہ محبت کے علاوہ اس بات کا بھی یقین تھا کہ وہ بھی اس سے محبت ضرور کرتی ہے۔

انسان جب کسی کو سچے دل سے چاہتا ہے تو اس کی برائی کو بھی چاہنے لگتا ہے بلکہ ہر برائی بھی بھلائی کا روپ دھار لیتی ہے اور خواہ مخواہ یہ بھی فرض کر لیتا ہے کہ اس کی سچّی محبت اس کے محبوب کے دل میں گھر کر کے رہے گی۔

زمانہ گزرتا گیا۔

حالات اپنے رخ پر چلتے رہے۔

محبت، نفرت، نفرت محبت متضاد کیفیات میں جمیل اور رضیہ کے شب و روز گزر رہے تھے۔

گزرتے رہے۔

زندگی اسی رفتار کا نام ہے۔

اکثر رضیہ کے اس کے درمیان کسی بات پر تلخی پیدا ہوتی رہتی جس کا واحد علاج اس کے پاس شراب نوشی کی زیادتی تھی۔

رضیہ کبھی جمیل کی موجودگی میں تنہا سنیما اور کلب بھی جانے لگی۔ کئی بار اس سلسلہ میں جمیل نے اعتراض کیا تو اس نے وہی سوسائٹی کی تہذیب کا حربہ استعمال کیا۔

جمیل اب سخت پریشان رہنے لگا اور سوچنے لگا کہ رضیہ سے کیونکر

گزارا ہوگا۔

اسے خیال آیا کہ عزیز کا پتہ کسی طرح دریافت کرکے اسے بلائے اور مشورہ کرے۔

اسی دوران عزیز کا خط کراچی سے آیا کہ :

" میں عنقریب لاہور آنے والا ہوں۔"

جمیل کو اس سے بڑا سکون ہوا۔ اس کا سب سے بڑا سہارا ایک یہی تھا۔

ادھر رضیہ کی کہی ہوئی بات سچ نکلی کہ خان بہادر نے چند ہی ماہ بعد اپنی سالی شاہینہ سے نکاح کر لیا۔ کوٹھی جو ابھی تک انھی کے نام تھی جمیل نے رضیہ اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کو اپنے نام بیعانہ نہیں کیا تھا کسی کے ہاتھ فروخت کر ڈالی اور سارا سامان نیلام کرکے بلا اطلاع لاہور سے کسی اور شہر روانہ ہوگئے۔

کچھ لوگوں کا کہنا تھا ڈھاکہ گئے۔ کوئی کہتا تھا کراچی میں ہیں۔ مگر جمیل کو صحیح پتہ نہ چلا۔ نہ اسے کوئی خاص فکر ہوئی۔ کہ ان کی خبر لے۔ کیوں کہ وہ اپنی اور اپنے گھر کی خیر منانے ہی میں اتنا مصروف تھا۔

انھی دنوں ایک عجیب انقلاب یہ رونما ہوا کہ رضیہ اچانک جمیل کی طرف ملتفت ہونے لگی۔ اور زیادہ وقت گھر کی دیکھ بھال آرائشگی وغیرہ میں گزارنے لگی۔

جمیل کے لیے تو خزاں رسیدہ گلزار میں از سرِ نو بہار آگئی۔

اس نے سوچا :

" آخر وہ مجھ سے محبت جو کرتی ہے۔ سوسائٹی کے

میل جول نے اسے آزادروی پر مجبور کر دیا تھا لیکن میری
محبت نے اسے اپنا رویہ تبدیل کرنے پر آمادہ کیا۔"

ان دونوں کے درمیان جو کبھی کبھی شکر رنجی پیدا ہو جاتی تھی اس کا اب نام ونشان بھی نہ رہا۔ کیوں کہ رضیہ ہر وقت اس کی خاطر داری اور دل جوئی میں لگی رہتی۔ جو وہ کہتا کرتی۔ جہاں جانا چاہتا جاتی۔

جمیل کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وہ اپنی محبت کی صداقت اور کامرانی پر باغ باغ تھا اور نہایت بے تابی سے عزیز کی آمد کا منتظر تھا تا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ اپنی سچی چاہت سے رضیہ کو مکمل عورت اور چاہنے والی بیوی بنانے میں کیسے کامیاب ہوا۔

اسی زمانہ میں ایک دن جمیل کہیں گیا ہوا تھا جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا رضیہ باغیچہ میں حوض کے پاس ایک پتھر کی نشست پر اوندھی لیٹی ہوئی ہے اور کچھ ایسی محویت میں ہے کہ جمیل قریب پہنچ گیا مگر اسے خبر تک نہ ہوئی۔ جمیل نے اس کے پاس پہنچ کر غور سے دیکھا کہ یہ کس مصروفیت میں ہے اور اسے ایک اردو ناول پڑھتے پایا۔

جمیل نے پوچھا :

"یہ کیا پڑھ رہی ہو رضیہ جو اتنی محو ہو ؟"

رضیہ نے جواب دیا :

"کتاب ہے۔"

جمیل نے ہنس کر کہا :

"ظاہر ہے کتاب ہی ہوگی۔ مگر کون سی کتاب ہے؟"

رضیہ: ناول

جمیل: کون سا ناول ہے ایسا جس نے تمھاری تمام توجہ اپنی طرف جذب کر رکھی ہے؟

رضیہ نے کروٹ بدل کر کتاب اپنے نیچے دبا لی۔

جمیل کو اس کی یہ حرکت عجیب معلوم ہوئی اور اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر رضیہ کا کتاب کو چھپا رکھنا اسے سخت ناگوار گزرا۔

اس نے پھر پوچھا:

جمیل: رضیہ بتاؤ نا یہ کیا کتاب ہے؟

دراصل جمیل کو رضیہ کی اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ وہ سستے مذاق کے گھٹیا اور بے ہودہ ناول پڑھتی ہے مگر رضیہ کو ایسی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا اور جمیل کے منع کرنے کے باوجود نہ جانے کہاں کہاں سے ایسی بے ہودہ کتابیں منگا کر پڑھتی رہتی تھی۔

جمیل نے پھر کہا:

"رضیہ تم اس ضد سے باز نہ آؤ گی۔ آخر تمھیں ان گھٹیا ناولوں سے کیا ملتا ہے؟"

رضیہ نے نہایت لاپرواہی سے جواب دیا:

"سب کچھ۔"

جمیل بولا:

"سوائے بے ہودگی کے کچھ بھی نہیں۔ محض تمھاری ضد ہے۔"

رضیہ : آخر اس میں ہرج کیا ہے۔ تمھاری بھی تو ضد ہے۔
جمیل : جب میں تمھیں منع کرتا ہوں تو تم یہ ناول کیوں پڑھتی ہو ؟"
رضیہ : جب میں پڑھتی ہوں مجھے پسند ہیں تو تم منع ہی کیوں کرتے ہو؟
جمیل : اس لیے کہ یہ ذلیل ہیں۔ فحش اور رکیک۔

رضیہ نے اس کا جواب دیئے بغیر زور دار قہقہہ لگایا۔

اس پر جمیل اور جل گیا۔

اور اس نے اصرار کیا کہ رضیہ اسے وہ کتاب دے دے۔

مگر رضیہ چپ چاپ مسکراتی رہی۔

جمیل نے غصہ میں کتاب چھیننا چاہی۔

رضیہ نے مدافعت کی۔

کچھ دیر اسی طرح چھینا جھپٹی ہوئی۔

آخر جمیل نے کتاب چھین لی۔

یہ واقعی ایک لچر قسم کا فحش ناول تھا۔

جمیل نے اس ناول کو غیظ و غضب میں حوض کے اندر پھینکتے ہوئے کہا :

"یہ گندے اور گھناؤنے ناول شریفوں کے لیے زہر ہیں۔"

رضیہ غصہ سے جزبز ہو رہی تھی۔ جمیل کے اس فقرے پر کھل کھلا کر ہنسی۔

اور کہنے لگی :

"پھر تو اس کے زہر سے حوض کی ساری سرخ مچھلیاں مر جائیں گی۔"

جمیل جل بھن کر رہ گیا۔ اس نے ضبط سے کام لیا اور غصہ کو پی کر خاموشی سے ٹہلنے لگا۔

لیکن رضیہ اس کی توقع کے خلاف بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپائے بیٹھی رہی۔

جمیل یہ دیکھ کر اس کے پاس آیا۔ وہ اپنی محبت سے مجبور تھا۔ رضیہ کو اس طرح روتے وہ ہرگز نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا۔

لیکن شاید رضیہ چاہتی تھی کہ وہ اس سے معافی مانگے کیوں کہ جمیل نے اس کی توہین کی تھی۔

مگر جمیل کچھ بھی نہ سمجھا کہ آخر اس میں رضیہ کے رونے کی کیا بات ہے۔ کچھ دیر بعد جب رضیہ کے آنسو تھمے اور خاموش ہو بیٹھی تو جمیل نے بڑے پیار اور نرمی سے کہا :

"رضیہ۔ میری جان آخر تم کیوں ایسی باتیں کرتی ہو؟"

رضیہ : کیسی ؟

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

جمیل : جس سے میرا دل دکھے۔

رضیہ : دل تو تم دکھاتے ہو۔

جمیل : ہرگز نہیں۔ یہ بھی تمھاری زیادتی ہے۔

رضیہ : مرد اپنی زیادتی کبھی نہیں مانتا۔

جمیل : میں نے کبھی تم پر سختی نہیں کی مگر تم خواہ مخواہ ضد کرتی ہو۔

رضیہ : یہ تم سمجھتے ہو نا۔

جمیل : آخر تم کیا چاہتی ہو ؟

رضیہ : جو تم نہیں چاہتے۔

جمیل : کہ تم گھناؤنے اور پوچ ناول پڑھا کرو۔ یہی نا ؟

رضیہ : ناولوں میں کیا گھناؤنی بات ہوتی ہے ؟

جمیل : بہت کچھ۔ ان سے انسان کے خیالات گندے ہوتے ہیں۔ اور سفلی جذبات ابھرتے ہیں۔

رضیہ : اور تم چاہتے ہو کہ میرے جذبات دبے رہیں۔ ابھرنے نہ پائیں"۔

جمیل سے رضیہ کی اس انوکھی بات کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اس نے اس کا ریشمی دستِ نگاریں اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پھر نہایت پیار بھرے لہجے میں کہا :

"پیاری رضیہ آخر ہم اپنے اطمینان و سکون کو ان فضول باتوں کے لیے کیوں برہم کرتے ہیں ؟"

رضیہ : یہ سوال تم اپنے دل سے کرو۔

جمیل : اس میں زیادہ قصور تمھاری ضد کا ہے۔

رضیہ : اور تمھاری ضد ؟

جمیل : وہ تمھاری خوشی اور مرضی پر نثار ہو سکتی ہے۔ ہم دو محبت کرنے والے دل مِل جُل کر عیش و راحت کی زندگی کیوں نہیں گزار سکتے ؟

رضیہ : یہ تمھیں ہی سوچنا چاہیے۔

جمیل : میں تو دل و جان سے یہی چاہتا ہوں۔

رضیہ : تو اس کے لیے تم نے کیا کیا ؟

جمیل : ہر جتن !

رضیہ : کچھ بھی تو نہیں۔ کیا کبھی تم نے میرے دل کے گوشوں میں جھانکنے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ ان میں کتنی تاریکی ہے اور وہ کس

خوشی کے نور کے لیے ترستے ہیں؟

جمیل: تم نے کب بتایا؟

رضیہ: تم کو اس کی کب پروا ہے؟

جمیل: اگر میں تمھاری چاہت کی محویت میں تمھاری کسی مرضی سے غافل ہوا تو یہ قصور میرا نہیں، تمھارے حسن و جمال کا ہے جس نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ میں سوائے تمھاری رعنائیوں میں کھو جانے کے اور کسی طرف توجہ ہی نہ کر سکا۔

رضیہ: یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم نے مجھے ایک مٹی کی مورت، ایک سیلولائیڈ کی گڑیا، ایک کھلونا سمجھ کر خریدا، اور جیسے بچے محض اپنی ذاتی تفریح کے لیے کھلونے کو کچلتے مسلتے اور دباتے رہتے ہیں یہی میرے ساتھ تمھارا شغل رہا۔

جمیل: کیا میں تم سے پیار نہیں کرتا؟

رضیہ: کرتے ہو مگر میرے جسم سے، جسے تم نے خریدا ہے۔ میرا دل کیا چاہتا ہے اسے سمجھنے کی تم نے کبھی کوشش نہیں کی۔ میری روح کو تم نے کبھی پیار کرنے کا قصد نہیں کیا۔ اسے پانا تمھارے ہوسناک خیالات اور حریص جذبات سے بعید تھا اس لیے تم ظاہری حسن کو چومتے چاٹتے اور جسمانی لذت کو اپنے جھوٹے پیار کی تسکین سمجھتے رہے۔

جمیل یہ باتیں توقع کے خلاف سن رہا تھا۔ اسے تعجب تھا سخت تعجب کہ یہ رضیہ بول رہی ہے۔

اور وہ کہتی رہی :

"جمیل تم نے مجھے قطعی بے جان مورتی سمجھ کر اپنی دولت کے بدلے خریدا۔ اپنی ہوس کو محبت سمجھا۔ میرے لالچی باپ نے تمھاری دولت کو دیکھا اور تم نے بقول شاعر :

"جن داموں بھی مل جائے چیز نہایت سستی ہے"

سمجھ کر حاصل کر لیا۔ اب تم مجھے ہر حریص اور خود غرض مرد کی طرح اپنی ملکیت سمجھتے ہو تمھارا نفس تمھاری محبت ہے اور تم چاہتے ہو کہ بے سوچے سمجھے میں بھی اپنے نفس کو بھی خود غرضی سکھاؤں۔ کیا محبت اسی کا نام ہے کہ تم نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ مجھے کوئی دکھ ہے۔"

جمیل سخت پریشان تھا۔

اس نے گھبرا کر پوچھا :

"میری جان تمھیں کیا دکھ ہے ؟ بتاؤ بھی تو !"

رضیہ : تمھاری بلا سے۔ تم نے کبھی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی اور ہمیشہ مجھے مطعون کرتے رہے۔

جمیل : میں دل و جان سے تمھارے دکھ کا علاج کرنے کو تیار ہوں۔

رضیہ : (زہر خند کے ساتھ) یہ وہی سستے الفاظ ہیں جو تمھارے قول کے مطابق ان گھٹیا ناولوں کے ہیرو کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ دل و جان فدا کرنے کو تیار ہو مگر اپنے حریص جذبات نہیں۔ یہ تمھاری سچی محبت ہے ؟

جمیل کا اضطراب اور بھی بڑھ گیا۔

رضیہ جو باتیں کر رہی تھی ان سے اس کی ذہانت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ لیکن یہ حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہے اور رضیہ کیا چاہتی ہے۔

رضیہ کہتی رہی :

" جمیل لفظوں سے کسی کے درد کو سمجھنا اور اس کا مداوا کرنا ممکن نہیں۔"

جمیل نے کہا :

" میری پیاری میں ہر ممکن طریقے سے مداوا کرنے کو حاضر ہوں۔ تم اپنا درد تو بتاؤ۔"

رضیہ بولی :

" درد ؟ ہونھ ۔ دل کا درد بتانے سے نہیں سمجھنے سے محسوس ہوتا ہے۔"

جمیل نے کہا :

" تمھاری یہ منطق سمجھنے سے قاصر ہوں ۔ مگر میں آج تک یہ نہ جانتا تھا کہ تمھیں کوئی دکھ ہے۔"

اس پر رضیہ نے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی ۔

اور بولی :

" میں نے یہ بات صرف اپنے لیے نہیں کی ۔ عام بات کہتی ہوں ۔ میرا مطلب تو صرف یہ تھا کہ تم جو مجھے ضدی کہہ کر طعنے دیتے رہتے ہو' اور اپنی چاہت اور پیار کے دعوے کر کے احسان جتاتے ہو تم نے مجھے سکون بخشنے کی کون سی کوشش کی ۔ مجھے سمجھنے اور اگر میں غلط راستے پر ہوں تو اس سے بچانے کے لیے ہمدردانہ مشورہ دیا تو کیا ؟"

جمیل نے کہا :

" میں تو اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کرتا رہا لیکن تم جو بار بار اپنے سمجھنے نہ سمجھنے کا ذکر کر رہی ہو آخر وہ کون سا لاینحل مسئلہ یا پیچیدہ گتھی تمھارے دل کی گہرائیوں میں ہے جسے میں نے سمجھنے کی تدبیر نہیں کی ؟"

رضیہ نے کہا :

"یہی تو تم نے آج تک نہیں سوچا۔"

جمیل بولا :

"تو پھر تم مجھے آج صاف صاف بتا دو۔ میں اس کے حل اور تمھارے سکون کا علاج کر دوں۔"

رضیہ نے کہا :

"چھوڑو ان باتوں کو۔ کیا فائدہ؟ گزرنے دو جس طرح گزرتی ہے۔ تم اپنے عیش و آرام کی فکر کرو۔"

جمیل نے دیکھا کہ رضیہ کی نرگسی آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی تیر رہے ہیں وہ بے تاب ہو گیا۔ اور اسے ہر ممکن تسلّی دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر رضیہ نے جلد ہی اپنے کو سنبھال لیا۔

اور مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی :

"جمیل میں ہر قیمت پر تمھاری ہوں۔ آخر تم اس کھلونے کے مالک ہو نا! تمھیں اور کیا چاہیے۔"

جمیل نے کہا :

"تمھاری خوشنودی — تمھاری چاہت۔"

رضیہ بولی :

"بہت خوب! وہ بھی تو تم نے خریدنے کے لیے بھاری رقم خرچ کر ڈالی ہے۔"

جمیل نے کہا :

"اور مال سے زیادہ جان کی قیمت بھی لگانے کو تیار ہوں۔"

رضیہ نے کہا :

"اس کی ضرورت نہیں - اس دنیا میں جان کی کوئی قیمت نہیں - صرف مال و دولت ہی سب کچھ ہے - اس سے تم سب کچھ حاصل کر سکتے ہو۔"

جمیل بولا :

"مگر محبت ؟"

رضیہ نے جواب دیا :

"وہ دل کا سودا ہے۔"

جمیل نے کہا :

"اور میں اسی سودے کے لیے بے قرار ہوں۔"

رضیہ بولی :

"ابھی تمھاری بے قراری کو قرار نہیں ملا ؟"

جمیل نے جواباً کہا :

"وہ صرف تمھارے اختیار میں ہے۔"

رضیہ نے مسکرا کر انگڑائی لی۔

اور عجیب محبوبانہ انداز سے جمیل کے گلے میں باہیں ڈال دیں - اس کی نگاہیں اس قدر مخمور تھیں کہ جمیل تاب نہ لا سکا - اور آغوشِ شوق میں بھینچ کر بے خود ہو گیا۔

جمیل اور رضیہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی۔ اس کا نتیجہ نکلا کہ دونوں میں پہلے کی نسبت کچھ اختلاط زیادہ ہو گیا۔ اور کسی قسم کی ناگواری کا شائبہ پیدا نہ ہونے پایا۔ رضیہ پچھلے کچھ عرصہ سے جو جمیل کی طرف زیادہ توجہ کرنے لگی تھی اب اس سے بھی اور زیادہ متوجہ نظر آنے لگی۔ اور جمیل کی خوشنودی کے لیے اس نے اپنی تمام کتابیں جو زیادہ تر اردو اور انگریزی کے گھٹیا اور فحش ناول تھے جلا ڈالیں۔

جمیل کی خوشی ناقابلِ بیان تھی۔

اسے یقین ہو گیا کہ رضیہ یقیناً مجھے چاہتی ہے۔ اور جتنی باتیں ناگواری کی اس کی جانب سے ظاہر ہوئیں وہ اس کی غلط فہمی اور غلط تربیت کا نتیجہ تھیں ورنہ وہ مفاہمت کے ساتھ خوش گوار تعلقات کی کوشاں ہے اور میرے اور اپنے سکون کے لیے اس نے اپنی بہت عادتوں کو ترک کر ڈالا ہے۔ یہ قربانی اس کی محبت کا ثبوت ہے۔

اس سے بڑھ کر جمیل کے لیے اور کیا مسرت ہو سکتی تھی۔

اب دونوں بڑے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

عزیز کی آمد کی اطلاع پہلے آ چکی تھی کہ اس کا تار بھی آ گیا۔ اور جمیل گاڑی کے وقت پر اس کو لینے ریلوے اسٹیشن گیا۔

عزیز آ پہنچا۔

رضیہ بھی اس کی آمد سے شاد شاد نظر آنے لگی۔

جمیل نے عزیز سے راستہ ہی میں اپنی محبت کی کامرانی کا مژدہ سنایا اور رضیہ اور اپنے خوش گوار تعلقات کا ذکر کیا۔

عزیز بہت خوش نظر آتا تھا۔ مگر اس نے اس پر کسی قدر حیرت کا اظہار بھی کیا کہ رضیہ اور جمیل کے درمیان پیار محبت کا رشتہ قائم ہے۔

جمیل عزیز سے پہلے ہی مانوس تھا اب جو اس نے رضیہ کو اس کی خاطر مدارات میں دل چسپی لیتے دیکھا تو یہ سمجھ کر اور بھی خوش ہوا کہ وہ اس کی خوشی کے لیے عزیز کی جانب بھی اتنی توجہ کرتی ہے۔

اور ایک بات یہ تھی کہ !

عزیز کی شخصیت ایسی جاذبِ توجہ تھی کہ وہ اپنی جگہ محفل بنا ہوا تھا۔ اس کی گفت گو کے انداز میں جادو تھا۔ کسی موضوع پر بات کرتا تو معلوم ہوتا معلومات کا خزانہ ہے کہ سننے والوں پر دانش و حکمت کے زر و جواہر لٹا رہا ہے۔ لطائف و ظرائف پر اُتر آتا تو سامعین کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا۔

جمیل رضیہ کی تبدیلِ ہئیت سے پہلے ہی مسرور تھا اب عزیز کی موجودگی نے نئی بہار کھلا دی۔

شب و روز چرچے اور سیر و تفریح کے پروگرام بنتے اور ہنسی کھیل کے سوا کسی اور طرف دھیان ہی نہ تھا۔

جمیل کہا کرتا کہ :

"رضیہ آسمان کی حور ہے اور اس نے اس گھر کو بہشت کا ایک ٹکڑا بنا دیا ہے۔"

ایک دن یہ تینوں سنیما گئے اور رات کو واپس آ کر کھانا کھایا اور کچھ دیر باتیں

کر کے اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے۔

رضیہ اور جمیل اپنی خواب گاہ میں مسہریوں پر دراز ریشمی پردوں کے پیچھے سے باتیں کرتے رہے۔ وہ عزیز کی دل حبیب اور پر خلوص شخصیت کا ذکر کر رہے تھے گفت گو کے دوران ہی نیند نے غلبہ کیا اور دونوں بے خبر سو گئے۔

آدھی رات گزری تھی کہ جمیل نے محسوس کیا کہ اس کا دل دھڑک رہا ہے۔ اس نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کی اور رضیہ کی مسہری کی طرف گھور کر دیکھا وہاں رضیہ موجود نہ تھی۔

اس نے ایک جست کے ساتھ اٹھ کر مسہری کا پردہ اٹھایا لیکن اس کی نظریں دھوکا نہیں دے رہی تھیں۔

رضیہ واقعی وہاں نہیں تھی۔

اس نے باتھ روم کی طرف دیکھا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ اندر گیا۔

رضیہ کہیں نہ تھی۔

کہاں گئی ؟

وہ حیران پریشان سوچنے لگا۔

پھر اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

اور وہ وحشت زدہ ہو کر عزیز کے کمرے کی طرف جھپٹا۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی لیکن باہر سے صاف نظر آتا تھا۔

عزیز کا بستر خالی تھا۔

وہ وہاں موجود نہ تھا۔

جمیل کے دل و دماغ پر بجلی گری۔

وہ لپک کر باہر باغیچہ کی طرف گیا۔ اور اندھیرے میں آہستہ آہستہ دبے پاؤں

چاروں طرف دیکھتا چلنے لگا۔

ہر طرف سناٹا تھا۔

اس سکوت میں حوض کے دوسری طرف جھاڑیوں سے ایک باریک آواز آتی سنائی دی جس نے جمیل کے ہوش و حواس کو مختل کر دیا لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا آگے بڑھا۔ اور ان جھاڑیوں سے بالکل قریب ایک طرف جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر دیکھنے اور سننے لگا کہ یہ آواز کس کی ہے ؟

اس نے جو منظر دیکھا۔

قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا۔

اس کی محبوب بیوی رضیہ اور عزیز —

عزیز چپ چاپ کھڑا تھا۔

اور رضیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آواز جمیل کے کانوں میں گرم سیسہ انڈیلنے لگی— :

وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی :

"عزیز ! میری جان ! میری روح ! میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں نے تیرے لیے اپنے جسم کو جمیل کی دولت پر بھینٹ چڑھایا۔ صرف تیرے لیے — مگر میری روح میں تو بسا ہوا ہے۔ اب مجھ سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ رحم کر— مجھے اس عذاب سے نجات دے اور مجھے اپنا بنا لے۔ ہم دونوں اس جہنم سے ابھی نکل کر کہیں دور چلے جائیں اور اپنی پیار کی حسین جنت بنا کر عیش کریں۔"

جمیل کے دل میں آیا کہ وہ فوراً کمرے میں جائے اور پستول لا کر بغیر کچھ کہے سُنے

ان دونوں ذلیل شیطانوں کا خاتمہ کر دے۔ مگر ایک دم خیال آیا کہ میرے جاتے ہی عزیز رضیہ کی آرزو پوری نہ کر دے اور اسے آغوش میں لے کر یہاں سے رفوچکّر نہ ہو جائے۔ اس نے بہ مشکل ضبط کر کے اس ہوش ربا نظارہ کے انجام تک پہنچنے کا انتظار کرنے کا تہیّہ کر لیا۔

اسے ایک طرف رضیہ کی غدّاری، بے وفائی اور ذلّت پر غم و غصہ تھا اور دوسری طرف عزیز کی گندم نما جو فروشی پر جل بھن رہا تھا کہ انسان دوست ہو کر اتنا کمینہ ہو سکتا ہے۔

کچھ دیر پہلے تک یہ شخص میرا وفادار مخلص ہمدرد اور ساتھی مددگار بنا ہوا تھا اور اس وقت میری محبوبہ کو اغوا کرنے کے لیے جا رہا ہے۔

اس نے سوچا :

"عزیز نے مکر و فریب کا جال بچھایا تھا۔ وہ اسی لیے دوبارہ یہاں آیا کہ رضیہ اور اس کے درمیان خفیہ ساز باز تھا۔ یہ مجھے غافل کر کے اسی طرح فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور میرے خلوص اور پیار سے یوں ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ عزیز کتنا ذلیل ہے اور رضیہ تو واقعی آوارہ خاندان کی بدچلن لڑکی ہے۔ میں نے ان دونوں کے ہاتھوں اپنے سکون و آرام کو تباہ کیا اور یہ ذلّت و رسوائی اپنے ہاتھوں لاکھوں روپے میں خریدی۔ خداوندا! تیری دنیا میں ایسے ایسے شیطان اور وحشی حیوان بھی بستے ہیں۔"

اس کا دماغ پھٹنے لگا۔

کلیجہ ضبط سے منہ کو آنے لگا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کرے کیا نہ کرے

اس دوران اس نے دیکھا کہ رضیہ عزیز کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی ہے اور عزیز اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے اور پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

جمیل کے ذہن میں پگھلا ہوا لاوا دوڑ رہا تھا :

" الٰہی ! ایک شریف عورت ۔ شادی شدہ خاندانی عورت ۔ ایسی ذلّت پر آمادہ ہو سکتی ہے ؟ عورت کو صنفِ نازک، جنسِ لطیف اور کیا کیا کہتے ہیں ۔ مگر وہ بھی حیوانی خواہشات اور سفلی جذبات سے ایسی مغلوب ہو سکتی ہے کہ . . . . . . "

اس کے لاشعور میں یہ خیالات گردش کر رہے تھے کہ اس نے دیکھا :

رضیہ نے وحشیانہ طور پر عزیز پر جھپٹنا اور اسے پکڑ کر لپٹانا شروع کر دیا مگر وہ حیران رہ گیا۔

جب عزیز نے اسے دھکّا دے کر ایک طرف گرا دیا۔

اور دانت پیس کر کہنے لگا :

" ذلیل کتیا ۔ تجھے اپنے کو عورت کہتے شرم نہیں آتی ۔ کمینی تو میرے دوست کی بیوی ہو کر، اس کی محبوبہ بن کر ایسی فحش حرکتوں پر اتر آئی ہے ۔ میں تجھ جیسی نجس فحبہ کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کرتا ۔ تو نے جمیل کے پیار، خلوص اور اعتبار پر ڈاکہ ڈالا ۔ اسے اپنے مکر و فریب کا شکار بنایا ۔ اس کی دولت پر تیرا خاندان گِدھوں کی طرح ٹوٹ پڑا ۔ وہ نادان ہے مگر شریف اور نیک ہے ۔ ذلیل بے وفا عورت اب بھی ہوش میں آجا ۔ اسے تیری اس غدّاری اور ذلّت کی خبر نہیں ہے وہ اب بھی تجھے پیار کرتا ہے ۔ میں تجھے اس کی محبت کی خاطر معاف کر دوں گا ۔ واپس چلی جا اور اس کے پہلو کی زینت بنی رہ ۔ وہی تیری

آخری پناہ ہے۔ اس کمینہ پن سے باز آجا۔"

جمیل کو یہ سن کر اپنی بدگمانی پر جو اسے عزیز کے خلاف تھی نادم اور اس کے اس سلوک پر بڑا تعجّب ہوا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ اس کی وفاداری اور خلوص کا قدر دان ہو گیا۔

وہ سوچنے لگا :

"عزیز تو واقعی انسان نہیں فرشتہ ہے۔"

اور دل میں آیا کہ :

جلدی سے جا کر اسے گلے لگا لوں اور کہہ دوں کہ :

"پیارے دوست ! میں یہاں اس ذلیل کھیل کو اپنی آنکھوں سے کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ مجھے سب خبر ہو گئی ہے۔ رضیہ کی بے وفائی اور محسن کشی کا بھی اندازہ کر لیا۔ تیری وفاداری اور خلوص کا بھی پہلے سے زیادہ احساس ہو گیا ہے۔ میں اس فاحشہ عورت کو ایک منٹ اپنے پہلو سے قریب نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہ اپنے ذلیل خاندان کی طرح ذلیل زندگی گزارنے یہاں سے نکل جائے اور آوارہ کتیا بن کر گلیوں میں پھرتی رہے۔ اس وقت اسے میری محبت اور احسانات یاد آئیں گے۔"

اُدھر رضیہ عزیز کے قدموں پر جھکی ہوئی پیار کی بھیک مانگ رہی تھی۔

جمیل کی نگاہوں میں رضیہ اس وقت ایک بلا معلوم ہو رہی تھی اور مدھم روشنی میں اس کا گورا جسم کوڑھ کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں نیم برہنہ تھی اور گرنے پڑنے کی حالت میں اس کی عریانی نمایاں ہونے لگی تھی۔

عزیز برابر اسے دھکّے دے کر اپنے سے جدا کر رہا تھا۔

اور وہ اس سے لپٹ رہی تھی۔

عزیز کی لعن طعن پر وہ رونے لگی۔

اور کہہ رہی تھی:

"عزیز! میں نے جمیل کی ذلیل محبّت کو محض تیرے لیے گوارا کیا۔ اس نے میرا جسم خریدا مگر میں دل اور روح کی گہرائیوں سے تجھے ۔ صرف تجھے چاہتی ہوں۔"

عزیز بولا:

"تو جتنی ذلیل ہے اتنا ہی ذلیل تیرا دل بھی ہے اور اس سے زیادہ گندی روح ۔ میں اب تیری صورت سے نفرت کرتا ہوں۔"

وہ غصے سے بولا:

"اگر تو میرے دوست کی بیوی نہ ہوتی ۔ تو میں ۔ تیرے منہ پر تھوک دیتا۔"

رضیہ نے گڑگڑاتے ہوئے کہا:

"تو مجھے اپنے دوست کی بیوی کہہ کر میری محبت کو ذلیل نہ کر۔ میں نے جو کچھ کیا تیری محبت کی خاطر ۔ تجھے حاصل کرنے کے لیے ۔ میں دل و جان سے تیری ہوں ۔ تو صرف ایک بار مجھے سینے سے لپٹا لینے دے ۔ ایک بار ان پیارے ہونٹوں سے مجھے "اپنی" کہہ کر پکار لے ۔"

عزیز نے کہا:

"رضیہ! دیکھ ہوش کی باتیں کر۔ میں تجھے صاف صاف کہہ چکا کہ تو میرے

دوست کی امانت ہے ــ تو کچھ بھی سہی ــ کتنی گندی اور ذلیل ہے مگر ایک سادہ لوح شخص کی امانت ہے اور میں تجھے ہاتھ لگا کر خیانت کرنا جرم سمجھتا ہوں۔"

رضیہ بولی :

" تو بار بار اس کا نام نہ لے، اس نے مجھے ایک کھلونا سمجھ کر اپنی دولت کے بل پر خریدا اور میرے دل نے تیرے حسن تیرے اوصاف کی پرستش کی ــ اس میں میرا کیا قصور ؟ مجھے جمیل سے نفرت ہے اس کے باوجود میں سمجھتی تھی کہ اس کی بیوی بن کر تیری قربت حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ میں نے اپنے دل پر کیا کیا ظلم کیے۔ کیوں کر جبر و ضبط کر کے جمیل کو جتایا کریں ....."

عزیز نے بات کاٹ کر کہا :

" اس سے محبت کرتی ہوں۔ بے شرم مکّار ــ اور اسے اپنے فریب کا شکار بنایا۔"

رضیہ نے چلّا کر کہا :

" نہیں ہرگز نہیں! میں نے کبھی یہ اقرار نہیں کیا کہ اس کو چاہتی ہوں۔ میں نے صرف اسے یہ کہا کہ میں اس کی بیوی ہوں اور بس ــ اور یہ سب کچھ تیرے لیے۔"

عزیز بولا :

" مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں نے تیری آوارہ نظروں کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا مگر بعد میں جمیل نے مجھے یقین دلایا کہ تو اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ حالاں کہ میں پھر بھی احتیاطاً تم دونو کی شادی کے بعد

یہاں سے چلا گیا تھا اور خیال تھا کہ شاید تو نے ایک عورت کا روپ اختیار کر لیا ہو۔ اور شریف انسان کی صحبت میں آرام و سکون کی زندگی بسر کر کے تیرے کردار میں انسانیت کا شائبہ پیدا ہو گیا ہو اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ تو شیطان والدین کی شیطان بیٹی ہے۔ تیری فطرت نہیں بدلی تو میں ہرگز یہاں نہ آتا۔ سچ ہے گندے انڈے سے گندا بچہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ تو اپنی ماں کی سچی جانشین بننا چاہتی ہے!"

رضیہ نے کہا:

"عزیز ظالم اس وعظ سے مجھے کچھ نہ ملے گا۔ نہ تجھے۔ نہ تیرے دوست کو۔ میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ میری جان۔ میری روح۔ میرا ایمان تو ہے۔"

عزیز: روح اور ایمان کا نام نہ لے تو بے ایمان ہے۔

رضیہ: تو نے بنایا۔ تیرے عشق نے سب کچھ سکھایا۔

عزیز: عشق کے نام کو رسوا نہ کر، یہ ہوس ہے۔

رضیہ: میرا عشق پاکیزہ ہے۔ عزیز مجھ پر رحم کر۔

عزیز: تجھ جیسی بے وفا عورت پر جمیل کے سوا کوئی رحم نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ اس کی آنکھوں پر تیرے حسن و جمال کا پردہ پڑا ہوا ہے اس کا دل تیری محبت سے سرشار ہے۔

رضیہ: ظالم میرا دل نہ توڑ خدا کو مان۔

عزیز: تو کس خدا کا نام لے رہی ہے جسے تو جانتی تک نہیں۔ اگر تجھے خدا کا خوف ہوتا تو کبھی ایسی ذلت کی جرأت نہ کرتی!

رضیہ : میں صرف اس خدا کی قائل ہو سکتی ہوں جو تیری شکل کا ہو۔ تو میرا خدا ہے۔ میں تیری پرستش کرتی ہوں۔ تیری محبت کو اپنا ایمان سمجھتی ہوں۔

عزیز : شیطان کی بیٹی یہ سب حیوانی خواہشات کی پکار ہے۔ خدا کے نور سے تیرا دل معمور ہو تو وہ پاک ہو جائے۔

رضیہ : عزیز تو کس خدا کا ذکر کر رہا ہے۔ میرا دل اپنے خدا، اپنے محبوب عزیز کے حسن کی شعاعوں سے روشن ہے۔ تیری آرزو کے بغیر میری دنیا تاریک ہے۔ یہ گھر تیرے بغیر میرے لیے جہنّم تھا اب تو نے اپنے نور سے اسے جنّت بنایا ہے"۔

عزیز : تو دھوکے میں ہے رضیہ ! گناہ کے خیال سے تیرا دل اندھا ہو گیا ہے۔

رضیہ : پھر تو جس خدا کی باتیں کرتا ہے اگر اس خدا کا نور پاکیزہ ہے تو اس نے میرے دل میں گناہ کی تاریکی کیوں پیدا کی؟ مجھے تیری محبت سے کیوں آشنا کیا ؟ میں ایسے خدا کو نہیں مانتی جو خود بندے کو گناہ کی ترغیب دے اور اسے گناہ گار بنا کر اُس سے حساب کرے۔

عزیز : بے وقوف اپنی زبان بند کر۔ گناہ کی ترغیب انسان کا نفس دیتا ہے۔ خدا نے انسان کو قوّت بخشی ہے کہ وہ اس ترغیب سے اپنے کو بچالے مگر عارضی لذّت اور فانی خواہش سے مغلوب ہو کر وہ گناہ گار بنتا ہے۔ خدا نے انسان کو اچھے بُرے، اندھیرے اجالے پاک ناپاک کی تمیز دی ہے۔ یہ اس کا ذاتی فعل ہے کہ وہ اپنے آرام و آسائش اور مرضی کے لیے دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے اس لیے بدی کا مرتکب سزاوار ہے۔

رضیہ: (آگے بڑھتے ہوئے بولی) :

عزیز میرے پیارے عزیز! مجھے اس وعظ سے تو کچھ نہیں دے سکتا۔ میں جو کچھ ہوں تیرے لیے ہوں۔ بس ایک بار میری تمنا پوری کر دے، میرے سینے سے لگ جا اور میری تشنہ لبی کی پکار سن لے۔ اور میرے دل.....

عزیز اسے دھکا دے کر اور بات کاٹ کر بولا :

دُور ہٹ بے شرم — جب تو اپنے محبت کرنے والے محسن شوہر کے سینے سے نہ لگ سکی تو پھر تجھے کون منہ لگا سکتا ہے۔

رضیہ کچھ دیر خاموش کھڑی کانپتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

عزیز اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا۔

اور جمیل غصّہ و غم سے بے قابو ہو رہا تھا وہ اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالنے کے لیے بے تاب تھا۔

آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا۔

اور وہ —

شیر کی طرح بپھرا ہوا سامنے آ گیا۔

عزیز اسے دیکھ کر ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اطمینان سے کھڑا سنجیدہ صورت بنائے تکتا رہا۔

مگر رضیہ —

ایک دم حیران و ششدر ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔

جمیل غیض و غضب میں آپے سے باہر ہو رہا تھا وہ رضیہ کو کچل ڈالنا چاہتا تھا۔ ذرا دیر کے لیے رضیہ اس کی صورت دیکھ کر سہم گئی۔

جمیل کی زبان سے غصہ اور نفرت میں صرف یہ الفاظ نکل سکے:

" ذلیل، مکّار، بے وفا، کمینی ....."

اس پر رضیہ کے جذبات میں عجیب قسم کا اشتعال پیدا ہوا اور وہ دیوانہ وار ایک وحشیانہ قہقہہ لگا کر جمیل کو نہایت بے شرمی سے گھورنے لگی۔

جمیل عزیز کے گلے سے بے اختیار لگ گیا اور ضبط کی تاب نہ لا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا؛

رضیہ اس کی یہ حالت دیکھ برابر قہقہے لگاتی رہی۔

جمیل نے کہا:

" عزیز پیارے دوست مجھے آج معلوم ہو گیا کہ فرشتہ اور انسان میں کیا فرق ہے۔ تم نے سچی دوستی کا حق ادا کر کے مجھے اپنا غلام بنا لیا۔ میں نے سب کچھ آنکھوں اور کانوں سے دیکھ سن لیا ہے اور اس احسان فراموش اور ذلیل عورت کے مکر و فریب کی داستان خود اس کی زبان سے سنی ہے تم سچ کہتے تھے کہ اس دنیا میں عورت کی محبت پر اعتبار کرنا دھوکا ہے۔ یہ کتیا اسی قابل ہے کہ دھتکار دی جائے۔ تم نے اس باتوں کے بھوت کو لاتوں سے بھگا کر اپنے کردار کی بلندی ثابت کر دی ہے۔ اب میں اسے اس کے فریب کا مزا چکھاتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ محبت اور نفرت میں کیا فرق ہے۔"

رضیہ نے بڑی لاپرواہی اور حقارت سے کہا:

" تم — تم میں اتنی ہمت نہیں ہے۔"

جمیل نے ڈانٹا:

"خاموش رہ ذلیل ...."

رضیہ پر اس کا کوئی بھی اثر نہ ہوا۔

اور وہ بولتی رہی :

"تو خود ذلیل ہے کمینہ ہے۔ چیخ کر رعب دکھاتا ہے۔ تو حرص و ہوس کا غلام ہے۔ سونے چاندی سے عورت کا جسم خریدنا چاہتا ہے اس کی روح تک تیری رسائی نہیں۔"

جمیل نے کہا :

"مجھے خبر نہ تھی کہ تیرے حسین جسم میں ایسی مکروہ روح ہے۔"

رضیہ بولی :

"تو نے روح کو سمجھنے کی کوشش ہی کب کی ؟"

جمیل بولا :

"تیرے فریب نے میری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تھے۔"

رضیہ نے کہا :

"کس فریب نے ؟ میں نے تجھے کون سا فریب دیا ؟ کس وقت تجھ سے کہا کہ میں تجھ سے محبت کرتی ہوں ؟ میں نے تجھے پہلے ہی صاف صاف بتا دیا تھا۔ تو خود اپنی دولت اور ہوس کے نشہ میں اندھا تھا۔ اس میں میرا کیا قصور ؟ اگر قصور ہے تو تیری دولت، تیرے جذبات اور خواہشات کا ہے جن کے زور پر تو نے میرے حسن پر ڈاکہ ڈالا۔"

جمیل بولا :

"تو اسے ڈاکہ کہتی ہے کمینی ! میں نے تجھے اپنی منکوحہ بیوی بنایا۔"

رضیہ بولی :

"یہ سب دولت کا فریب تھا۔ جب تو نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں غریب ہوتا تو اس وقت بھی میں تجھ سے شادی کر لیتی۔ میں نے تجھے صاف جواب دیا تھا کہ نہیں ـــ تو نے یہ نہ سمجھا کہ تو مجھے اپنی دولت کا غلام بنا رہا ہے۔ میں تیری نہیں تیری دولت کی بیوی ہوں۔"

جمیل : واقعی تو بڑی مکّار حرّافہ عورت ہے۔

رضیہ : تجھ سے بڑھ کر نہیں جو دولت کے مکر سے عورت کی محبّت کو خریدنے چلا تھا۔

جمیل : پھر تو نے کئی بار مجھے یہ کیوں جتایا کہ تو مجھے چاہتی ہے ؟

رضیہ : ہاں یہ میں اب بھی کہتی ہوں۔

جمیل : کہ تو چاہتی ہے مجھے ؟ اس ذلیل دل سے جس سے تو عزیز کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے ؟

رضیہ : عزیز میرے دل اور روح کا مالک ہے میں اس پہ ہزار جان سے فدا ہوں اور جسم کے عیش و آرام کی خاطر تیری دولت کو چاہتی ہوں جس کے بدلے تو نے مجھے خریدا۔

جمیل : بدکار رذیل عورت تو ہی نے تو اپنے باپ سے مجھے شادی کا پیغام دینے کو کہا تھا۔

رضیہ : بے شک ـــ کیوں کہ اس کے بغیر میں عزیز کو اپنا نہ سکتی تھی۔

عزیز : نادان وہ تو اب بھی نہ بنا سکی۔ اپنے فریب کا خود ہی شکار ہے۔

رضیہ : اپنے نہیں اس کی دولت کے فریب کا اور تیری محبت کا۔

جمیل غصہ سے بدحواس ہو کر رضیہ کی طرف جھپٹا۔
اور دونوں بازوؤں سے اسے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔
اور بولا :
"فحبہ تجھے میرے سامنے یہ باتیں کرتے بھی شرم نہیں آتی۔"
رضیہ اپنے آپ کو جمیل کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔
مگر چھوٹ نہ سکی۔
جمیل بری طرح اسے کھسوٹ کر کھینچے جا رہا تھا۔
عزیز نے آگے بڑھ کر رضیہ کو چھڑاتے ہوئے جمیل سے کہا :
"جمیل ہوش میں آؤ۔ ضبط سے کام لو۔ ابھی ان باتوں سے سوائے میرے تمہارے کوئی آگاہ نہیں۔ تمہاری آواز سن کر کوٹھی کے سب نوکر جاگ جائیں گے۔ ہمسایوں کو خبر ہو گی۔ رسوائی ہو جائے گی۔ جو کچھ نہیں ہوا لوگ اسے بھی مشہور کر کے طرح طرح کی باتیں بناتے پھریں گے۔ کل کے اخباروں میں اس رسوائی کی داستان کی سرخی ہو گی۔"
اور رضیہ سے مخاطب ہو کر کہا :
"جاؤ تم اندر کمرے میں جاؤ۔ بہت ہو چکا!"
رضیہ اس پر رینگتی ہوئی قدم بڑھانے لگی۔
مگر ضد سے اب بھی باز نہ آئی۔
اور چلتے چلتے پلٹ کر اس نے عزیز کو مخاطب کیا :
"میرے آقا میں تیرے حکم کی پابند ہوں۔ میرا رواں رواں تیرا

تابع فرمان ہے۔"

جمیل دانت پیس کر رہ گیا۔

عزیز نے جمیل کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا کہ کہیں مار پیٹ نہ شروع کر دے۔

رضیہ چلی گئی۔

عزیز نے جمیل کو بھی اپنے کمرے میں جانے کو کہا۔

مگر وہ تو رنج و غضب سے کانپ رہا تھا۔ اس میں قدم اٹھانے کی بھی سکت نہ تھی۔

آخر عزیز نے اسے حوض کے کنارے بٹھا دیا اور اسے سمجھانے لگا کہ:

"اس بات کو ابھی شہرت نہ دو۔ تشہیر میں بدنامی زیادہ ہے۔"

جمیل نے پُرغضب ہو کر غمگین آواز میں کہا:

"میں اس کمینی عورت کا آج ہی خاتمہ کر دوں گا۔ اس کے ساتھ ساری ذلت ختم ہو جائے گی۔"

عزیز نے کہا:

"میرے بھائی۔ ذلت بڑھ جائے گی ختم کیسے ہو جائے گی۔ لوگ رضیہ کے خون کے کیسے کیسے افسانے بنائیں گے۔ کیا کیا سرخیاں قائم ہوں گی۔ کس کس رنگ میں باتیں بنیں گی اور پھر قانون میں تم قاتل بن کر اپنی زندگی تباہ کرو گے۔ کس کے لیے۔ ایک آوارہ عورت کے لیے! یہ عقلمندی کے خلاف بات ہے۔"

جمیل نے کہا:

"عزیز! اس ذلت کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے میں خود اب زندہ رہنا نہیں رہنا چاہتا۔ پہلے اس فاحشہ کو ختم کردں گا اور

قانون کی گرفت سے پہلے خود اپنا خاتمہ۔"

عزیز: جمیل تم سمجھ دار ہو، تعلیم یافتہ ہو۔ اس وقت جوشِ غضب میں عقل کے خلاف باتیں کہہ رہے ہو۔

جمیل: ہاں، مجھے اب ہر چیز سے نفرت ہے۔ اس دنیا سے، دنیا والوں سے، عقل سے، فریب سے، ہر شے سے۔ مجھے اپنے وجود سے گھن آتی ہے۔

عزیز: میرے دوست تم مرد ہو۔ غصہ انسان کو بزدل بناتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کسی کو قتل کرنا یا خودکشی بہادری ہے۔ قتل اور خودکشی حقیقت میں دونوں انسان کی کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ ہے۔ بہادر وہ ہے جو غم اور غصہ کو ضبط کرے اور اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ تمھارے اس فعل سے بدنامی کتنی ہوگی؟ سوچو اور سمجھو کہ سب سے بری بات وہ ہے جو لوگوں کے سامنے آجائے۔ ابھی وقت ہے سوچ سمجھ کر اس برائی کا سدِ باب کیا جاسکتا ہے۔

جمیل: تو میں آج ہی اسے طلاق دے کر فیصلہ کرلوں گا۔

عزیز: یہ بھی حماقت ہے۔ تم اس وقت کسی فیصلہ کی قوت اور ہوش نہیں رکھتے۔

جمیل بے قابو ہو کر بولا:

"تو پھر عزیز! میرے عزیز دوست! مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرا دل میرا جگر پھٹا جا رہا ہے۔

عزیز: میں نے کہا نا کہ اس وقت صبر و ضبط کے سوا اور کچھ نہ کرو۔ آؤ چلو میں تمھارے دل و دماغ کی تسکین کا علاج کرتا ہوں۔

اور عزیز جمیل کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس نے دانستہ اسے اس کے کمرے میں لے جانا مناسب نہ سمجھا کہ وہاں رضیہ ہوگی اور اس کی صورت دیکھ کر جمیل پھر بے قابو ہو جائے گا اور غصہ میں چیخ پکار مچائے گا یہاں اس نے اپنے بیگ میں سے ایک شیشی نکال کر اسے دو گولیاں دیں اور پانی کا گلاس بھر کر جمیل سے دونو گولیاں حلق میں ڈال کر پانی پی لینے کو کہا۔

جمیل بے سکت ہو رہا تھا۔

اس نے بے سوچے سمجھے عزیز کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کیا۔ اور تھوڑی دیر بعد اسے غنودگی سی آنے لگی۔ وہ عزیز کے بستر پہ لیٹا ہوا تھا اور وہیں بے خبر ہو کر سو گیا۔

اس کے بعد عزیز نے وہی دو گولیاں اور نکالیں اور پانی کا گلاس لے کر رضیہ کے پاس اس کی خواب گاہ میں گیا۔

وہ آنکھیں بند کیے خاموش پڑی ہوئی تھی۔

اس کے قدموں کی چاپ سے آنکھ کھولی۔

اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

عزیز نے چپ چاپ، وہ گولیاں اسے دیں۔ اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

رضیہ کی اس وقت یہ حالت تھی کہ جیسے اس پہ عزیز نے کوئی جادو کر دیا ہو۔

وہ کچھ کہے بغیر دونو گولیاں حلق میں ڈال کر پانی پی گئی۔

عزیز نے اسے آہستہ سے کہا :

"اب لیٹ جاؤ۔"

چناں چہ وہ بھی تھوڑی دیر بعد سو گئی۔

عزیز ڈرائنگ روم میں جا کر صوفے پہ دراز ہو گیا۔ اور بقیہ رات وہیں گزاری۔

رات کے آخری پہر میں جمیل کی کوٹھی پر موت کی سی خاموشی، اور اداسی چھائی رہی۔

صبح کو جب جمیل کی آنکھ کھلی تو رات کے واقعات اس کے دماغ کو پریشان کرنے لگے۔ ساری گزری ہوئی باتیں اس کے دماغ کے پردے پر سنیما کی طرح ایک ایک کرکے گھومنے لگیں اور اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے خواب میں کوئی فلم دیکھی ہے۔

جب وہ عزیز کے کمرے میں جانے اور گولیاں کھا کر سونے کا تصور کرنے لگا تو اس نے گھبرا کر دیکھا کہ آیا وہ اسی بستر پہ لیٹا ہے جس پہ رات کو سویا تھا لیکن جب غور سے دیکھا تو یہ بستر اس کا اپنا تھا۔ کمرہ اپنا تھا،

عزیز کے کمرے سے وہ یہاں کیسے آیا ؟

یہ خیال اسے پھر پریشان کرنے لگا

لیکن اس کی مسہری کے ساتھ ہی اس کی بیوی رضیہ کی مسہری تھی۔

اس نے اپنا ریشمی پردہ اٹھا کر دیکھا۔

رضیہ نیند میں مدہوش مسہری پہ پڑی سو رہی تھی۔ اس کے ریشمی پردے سے چھن کر حسین خوابیدہ چہرے کی شعاعیں باہر نظر آ رہی تھیں۔

کیا یہ سب خواب تھا ؟

کیا رضیہ نے واقعی میرے ساتھ ایسی خوف ناک بے وفائی کی ؟

رفتہ رفتہ اس نے دماغ پر زور دیا۔

ہوش و حواس بیدار ہوئے۔

رات کی مے نوشی کا خمار بھی دور ہونے لگا۔
اور اب اس کی سمجھ میں آیا کہ :
یہ ساری کیفیت، خواب، کی تھی۔

"استغفراللہ کتنا بھیانک، اور ہیبت ناک خواب تھا۔"
"خدا جانے ایسے خواب کی تعبیر کیا ہو"
وہ سوچنے لگا :

کہ اگر میں یہ خواب عزیز سے بیان کروں تو وہ کیا سوچے گا۔ رضیہ کو سناؤں تو وہ کہے گی :
"تم کو مجھ پہ بھروسہ نہیں۔"
ایسی باتیں کسی سے کہی بھی نہیں جا سکتیں۔
مگر میں نے یہ خواب دیکھا کیوں ؟
سوتے وقت تو مجھے اس قسم کا کوئی خیال بھی نہ تھا۔
کہتے ہیں بیداری کے خیالات خواب میں واقعات بن کر سامنے آتے ہیں۔
مجھے یہ باتیں کیوں نظر آئیں ؟
کیا رضیہ کے اپنے دل میں اس قسم کے خیالات ہیں ؟
کیا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی ؟

عزیز پہ فدا ہے اور مجھ سے بے زار ؟
انسان اس قسم کی پریشانی میں سوچنے سے عاجز ہو جاتا ہے اور جتنا اس قسم کے پراگندہ خیالات کو دل و دماغ سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی وہ گڈمڈ ہو کر گھومتے اور طرح طرح کے رنگ اختیار کر کے اسے متوحش کرتے ہیں۔

جمیل کی بھی یہی حالت تھی۔

وہ اس بدحواسی پر قابو پانے کے لیے جلدی سے اٹھ کر غسل خانہ میں چلا گیا۔ اور دیر تک غسل میں مصروف رہا۔

جب فارغ ہو کر باہر آیا تو رضیہ اپنے بستر پر نہ تھی۔ وہ رات کی باتیں سوچ کر کچھ یونہی گھبرا سا گیا مگر پھر :

"خواب کا کیا اعتبار ہے"

دل میں کہتا ہوا باہر باغیچہ کی طرف چلا۔

سامنے حوض کے کنارے ایک روش پر رضیہ چہل قدمی کر رہی تھی وہ بہت آہستہ آہستہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ٹہلتی ایک طرف سے دوسری طرف جا رہی تھی۔

عزیز نے جمیل کو باہر جاتے دیکھا اور جلدی سے باہر نکل کر اس کے پاس آ گیا۔

اور نہایت سنجیدہ صورت بنائے ہوئے پوچھنے لگا :

"کہو طبیعت کا کیا حال ہے اب ؟"

جمیل نے مسکرا کر کہا :

"ٹھیک ہوں تم سناؤ ؟"

عزیز بولا :

"اپنی تو ہر حال میں ٹھیک ہی گزرتی ہے۔"

یہ دونوں برآمدہ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے رضیہ انھیں دیکھ کر دوسری روش کی طرف نکل گئی۔ یہ دونوں خراماں خراماں باغیچہ کی طرف چلے۔ جوں جوں یہ باغیچہ کی جانب جاتے گئے رضیہ برآمدہ کا رخ کرتی گئی اور ان کے وہاں پہنچنے

تک رضیہ اندر داخل ہو کر غسل خانہ چلی گئی۔

عزیز جمیل سے موسم کی باتیں کرتا رہا۔ پھر ادھر ادھر کی غپ شپ چلائی لیکن جمیل اس سے باتیں کرتے ہوئے یہ سوچے جا رہا تھا کہ :

رضیہ آج خلافِ معمول بستر سے اٹھ کر باغیچہ میں ٹہلنے کیوں گئی ؟ وہ تو بستر پر دراز چائے پینے کی عادی ہے۔

اب اسے یاد آیا کہ آج بیرے نے بیڈ ٹی (فجر کی چائے) بھی نہیں دی۔

اس نے بیرے کو آواز دی۔

جب وہ آیا تو اس سے پوچھنے لگا کہ :

" آج تم نے بیڈ ٹی نہیں لگائی ؟"

اس نے کہا :

" صاحب وہ تو ٹھیک وقت پر لگا دی اور رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی ابھی بیگم صاحب نے بلا کر مجھ سے کہا کہ ٹرالی لے جاؤ۔ آج صاحب اور ہم نے بیڈ ٹی نہیں لی۔ ناشتہ کی میز تیار کرو۔"

یہ سن کر جمیل دل ہی دل میں خفیف سا ہوا۔

اس نے سوچا :

اس کے دماغ پر جو پریشان خواب کا اثر تھا۔ یہ ساری گڑبڑ اسی کی ہے۔ رضیہ مجھے پریشان دیکھ کر متفکر ہے اسی لیے وہ باغیچہ میں ٹہلنے چلی آئی ہو گی۔ میں خلافِ معمول بیڈ ٹی لیے بغیر ہی آج غسل کے لیے چلا گیا۔

اسے کسی گہری سوچ میں دیکھ کر عزیز نے پوچھا :

" کیوں خیریت تو ہے۔ کیا ہوا ؟

جمیل نے ٹالنے کو کہا :

"کچھ نہیں - رات اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی - صبح آنکھ لگ گئی - دیر سے اٹھا اور چائے پیئے بغیر باتھ روم چلا گیا - میں سمجھا تھا بیرے نے آج چائے نہیں لگائی -"

عزیز کچھ سوچنے لگا -

پھر مسکرا کر بولا :

"تم بھی کچھ فلسفی ہوتے جاتے ہو"

جمیل نے ہنس کر جواب دیا :

"تمھاری صحبت کا اثر ہے -"

عزیز نے کہا :

"میری صحبت کا ؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ :

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد"

جمیل نے کہا :

"اس ہم نشیں کے جمال کا بھلا یہ کیا اثر ہوگا" -

عزیز بولا :

"بہر حال معاملہ کچھ یہی نظر آتا ہے -"

پھر دونو خاموش ہو گئے -

عزیز جمیل سے کچھ کہنا چاہتا تھا -

مگر چپ رہا -

اسے خیال تھا کہ جمیل خود ہی اپنی پریشانی کا حال اس سے کہے گا -

اتنے میں بیرے نے آکر ناشتہ تیار ہونے کی اطلاع دی اور دونو کھانے

کے کمرے میں چلے گئے۔

ناشتہ کی میز پر رضیہ کو نہ پا کر جمیل نے بیرے سے کہا :

"بیگم صاحب کو بلاؤ۔"

اس نے بتایا کہ :

"بیگم صاحب نے اپنے کمرے میں چائے منگا کر پی لی ہے ان کے سر میں درد ہے۔"

عزیز نے جمیل کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا :

"کیوں بھئی خیریت تو ہے۔ یہ دردِ سر کسی خوش خبری کا پیغام تو نہیں ہے؟"

جمیل عزیز کا مطلب سمجھ گیا۔

اور مسکراتے ہوئے چائے انڈیل کر بولا :

"اللہ جانے یا بیگم صاحبہ۔ ہمیں کیا خبر!"

عزیز نے کہا :

"تم اتنے بے خبر ہو۔"

جمیل نے ہنس کر اس کی طرف چائے کی پیالی بڑھائی اور نمکدان آگے کر دیا۔

یہ دونوں چپ چاپ چائے پیتے رہے اور ناشتہ میں مصروف رہے۔

جمیل بار بار سوچتا کہ :

عزیز کو اپنی خواب سنا کر اس کی رائے تو معلوم کرے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ اس نے ایسا بے ہودہ خواب کیوں دیکھا؟

وہ چاہتا تھا کہ کہنے سننے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ ورنہ خواہ مخواہ دل و دماغ پر بار رہے گا۔

رضیہ کو اس سے آگاہ کرنا مناسب نہ تھا۔

آخر اس نے اس خواب کی ساری کیفیت عزیز کو سنا دی۔ عزیز لاپرواہی سے سنتا رہا۔

اور آخر میں کہنے لگا:

"تمھیں یہ یقین ہے کہ یہ سب خواب تھا۔ اصلیت نہیں؟"

جمیل پہلے تو گھبرا گیا۔

پھر سوچ کر بولا:

"یقیناً۔ اصلیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ میں جس طرح اپنی خواب گاہ میں سویا تھا صبح کو اسی طرح وہیں آنکھ کھلی اور خواب کے بجائے اصلیت ہوتی تو مجھے تمھارے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔"

عزیز نے کہا:

"بس یہی ثبوت یا کچھ اور بھی؟"

جمیل نے جواب دیا:

"اس سے بڑا ثبوت یہ کہ میں رضیہ کو اتنا آوارہ اور ذلیل نہیں سمجھتا اور پچھلے کچھ دنوں سے تو وہ مجھ سے غیر معمولی طور پر مانوس ہے اس کے علاوہ تم پر کسی قسم کا شک کرنا خدا سے انکار سمجھتا ہوں۔"

عزیز نہایت سنجیدہ چہرہ بنا کر مسکرایا

اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔

پھر کہنے لگا :

" ہم لوگوں کے خواب خیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اکثر معدہ کی خرابی یا بدخوابی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"

جمیل بولا :

" بے شک یہی میں سوچتا ہوں۔"

اور اس کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار نمودار ہونے لگے۔

عزیز نے مزید کہا :

" مگر عورتیں کمزور دل کی ہوتی ہیں۔ بیگم صاحب سے تم اپنے خواب کا تذکرہ نہ کرنا۔ بے چاری خواہ مخواہ سوچ بچار اور وہم میں مبتلا ہوں گی۔ دوسرے مجھے بھی ان کے سامنے فضول شرمندگی ہوگی۔"

جمیل نے ہنس کر کہا :

" اس میں تمھیں شرمندہ ہونے کی کیا ضرورت ؟ خواب تو میں نے دیکھا ہے بگڑیں گی تو مجھ سے کہ مجھے ان پر اعتماد نہیں۔"

عزیز نے کہا :

" بہرحال ان سے نہ کہیے کچھ۔"

جمیل نے اسے اطمینان دلایا کہ :

" میں نے خود یہی سوچا ہے کہ رضیہ سے اس کا ذکر مناسب نہیں۔"

ناشتہ سے فارغ ہو کر عزیز نے کہا :

" چلو ذرا بیگم صاحب کی مزاج پرسی کر آئیں۔"

جمیل یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کہ :

" ہاں چلو ۔۔۔ دوا کی ضرورت ہو تو ڈاکٹر کو بلا لیا جائے۔"

اس کے بعد دونو دوست رضیہ کے کمرے میں گئے۔
عزیز نے دروازے کے پاس رُک کر اجازت مانگی کہ :
"اندر آسکتے ہیں ؟"
رضیہ لیٹی ہوئی تھی۔
اٹھ کر بیٹھ گئی اور :
"آیئے آیئے تشریف لایئے !"
کہہ کر کھڑی ہونے لگی۔
عزیز نے کہا :
"تکلیف نہ کیجیے۔ آپ آرام کیجیے۔ صرف مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔"
جمیل نے بھی پوچھا کہ :
"کیوں رضیہ۔ سر میں کب سے درد ہے ؟"
رضیہ کے چہرے پر اضمحلال تھا۔
اس نے کھڑے کھڑے سر جھکا کر کہا :
"صبح اٹھی تو درد تھا۔"
جمیل نے بدن پر ہاتھ رکھا۔ پنڈا جل رہا تھا۔
جمیل نے گھبرا کر عزیز سے کہا :
"بخار بہت تیز ہے۔ ڈاکٹر کو بلایا جائے۔"
عزیز کی رائے سے دونو ڈاکٹر کو بلانے گئے۔
ڈاکٹر نے دیکھ کر اطمینان دلایا کہ :
"کوئی فکر کی بات نہیں ابھی آرام آجائے گا۔ معمولی نزلہ بخار معلوم

ہوتا ہے۔"

پینے کھانے کی دوا کا نسخہ لکھ کر اور ایک انجکشن لگا کر فیس وصول کر کے چلا گیا۔

عزیز نے کہا:

"انھیں آرام کی ضرورت ہے۔ نیند آنے سے طبیعت بحال ہو گی۔ ان کو تنہا چھوڑ دو۔"

اور جمیل و عزیز وہاں سے رضیہ سے یہ کہہ کر باہر چلے گئے کہ:

"آرام سے سونے کی کوشش کریں۔"

رضیہ خاموشی سے لیٹی رہی۔

اور آہستہ سے:

"شکریہ!"

کہہ کر آنکھیں بند کر لیں۔

جمیل کو پریشان دیکھ کر عزیز نے سمجھایا کہ:

"تم گھبراؤ نہیں۔ ڈاکٹر بھی کہتا ہے کہ معمولی بخار نزلہ ہے۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔"

اور جمیل کو قدرے تسلّی ہو گئی۔

پھر دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہو گئے۔

ملازم نے اطلاع کی کہ:

"لطیف صاحب آئے ہیں۔"

عزیز پہلے تو کچھ گھبرایا کہ:

"کیوں خیریت تو ہے۔"

پھر جمیل سے بولا :

"ملنے آئے ہوں گے بلالو۔"

جمیل نے نوکر کو وہی کہا :

"بلالو !"

لطیف عالم آبادی نے اندر داخل ہوتے ہی بڑے تپاک سے سلام کیا اور رسمی معانقہ کے بعد کہنے لگا :

"خیریت تو ہے ؟ میں نے ابھی ایک ڈاکٹر آپ کی کوٹھی سے نکلتے دیکھا میں نے کہا دریافت کروں کس کی طبیعت ناساز ہے - معاف کیجیے میں بغیر اطلاع حاضر ہو گیا۔"

جمیل نے کہا :

"آپ کی نوازش ہے جو آپ نے اتنی زحمت کی۔ میری بیگم کی طبیعت ناساز ہے - انھیں کچھ موسمی بخار ہو گیا ہے۔"

لطیف نے پوچھا :

"کوئی فکر کی بات تو نہیں ؟"

جمیل نے جواب دیا :

"جی نہیں - ڈاکٹر صاحب نے دوا دی ہے۔"

لطیف نے کہا :

"مرض کیا تشخیص کیا ؟"

جمیل بولا :

"وہی موسمی بخار — اور کوئی بات نہیں۔"

لطیف نے دعا دیتے ہوئے کہا :

"خداوندِ کریم انھیں جلد صحت یاب کرے۔"

پھر ادھر ادھر کی باتیں۔

اخباری خبروں پہ رائے زنی۔

اور —

ادبی تبصرے ہوتے رہے۔

جمیل نے لطیف کے لیے چائے منگائی۔

تھوڑی دیر بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

لطیف رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔

عزیز کسی سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔

اور —

جمیل نے آج کے اخبار نہیں دیکھے تھے۔ وہ اخبار بینی میں مصروف ہوگیا۔

❖

" عزیز تم سچ کہتے ہو کہ جمیل اس ساری کیفیت کو خواب سمجھتا ہے ؟"

" یقیناً ۔ اسے ذرا بھی شک نہیں کہ یہ اصل واقعہ ہے ۔"

" ہو سکتا ہے وہ ہمیں اُنہ ماننے کے لیے بہانہ کر رہا ہو ۔"

" نہیں جمیل جیسا سادہ لوح اور نیک دل انسان ایسے بہانے نہیں بنا سکتا ۔ اسے یقین ہے کہ یہ سب خواب تھا ۔"

" پھر تو وہ نہایت احمق ہے ۔"

" نہیں رضیہ بیگم ۔ یہ اس کی حماقت نہیں سادگی اور شرافت ہے ۔"

" کمال ہے ایسی صاف اور صریح باتوں کو ایک آدمی خواب سمجھتا ہے اور تم اسے احمق نہیں مانتے ۔"

" میں کیا کوئی عقل مند بھی اسے احمق نہیں ملنے گا ۔"

" گویا میں عقل سے خارج ہوں ۔"

" میں تمھاری عقل کے بارے میں تو کوئی رائے نہیں دے رہا ہوں ۔"

" مطلب تو یہی نکلا نا ۔"

" ہر بات سے ہم جو مطلب چاہے نکال سکتے ہیں ۔"

" تو مجھے آپ مطلبی خود غرض بھی سمجھتے ہیں ؟"

" رضیہ بیگم تم اپنے دماغ کو اس بیکار کی بحث میں کیوں الجھا رہی ہو ۔ سیدھی بات کا الٹا مطلب نکالنے سے کیا فائدہ ؟"

"فائدہ نقصان کی تو میں قائل ہی نہیں - میں بھی سیدھی بات کر رہی ہوں"۔

یہ باتیں رضیہ اور عزیز کے درمیان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہو رہی تھیں شام کا وقت تھا جمیل کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا -

تھوڑی دیر دونو خاموش رہے -

پھر رضیہ نے سلسلہ کلام جاری کیا :

"آپ بتا سکتے ہیں کہ جمیل میرے بارے میں کیا سوچتا ہے ؟"

عزیز نے کہا :

"جو پہلے سوچتا تھا وہی اب بھی سوچتا ہے - اس کے خیالات میں تبدیلی کا سبب کیا ہو سکتا ہے ؟"

رضیہ بولی :

"بہرحال مجھے اب بھی یقین نہیں کہ وہ واقعی خواب کے دھوکے میں ہے"۔

عزیز نے کہا :

"تمھارے لیے ایسا سوچنا بھی قدرتی ہے"۔

رضیہ نے پوچھا :

"کیوں ؟"

عزیز نے جواب دیا :

"تمھارے ضمیر کا احساس تمھیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے"۔

رضیہ نے حیرانگی سے کہا :

"کیا مطلب ؟"

عزیز بولا :

"مطلب یہ کہ جو کچھ تم نے کیا یا کرنا چاہا اس پر تمہارا ضمیر شرمسار ہے۔ اور تمہارے دل میں یہ خدشہ ہے کہ جمیل نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا اس کے بعد وہ تم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔"

رضیہ نے کہا:

"اور اگر آپ کا یہ احساس غلط ہو؟"

عزیز نے پوچھا:

"کیسے؟"

رضیہ بولی:

"تمہارا یہ خیال کہ میرا ضمیر میری حرکات پہ شرمسار ہے اور میں اپنی کرنی پہ پچھتا رہی ہوں۔ میرے خیال میں درست نہیں۔"

عزیز نے کہا:

"میں یہ نہیں مان سکتا۔ کیوں کہ میں اس رات کے بعد بھی تمہیں اتنا گرا ہوُا نہیں سمجھتا کہ ایسی حرکت کے بعد بھی تمہارا ضمیر تمہیں پچھتانے پر مجبور نہ کرے۔ تم تو ایک شریف عورت ہو۔ میرے خیال میں کوئی شریف مرد اپنی بیوی کی نظروں میں ایسی حرکت کے بعد بھی باوقار نہیں سمجھے گا۔"

رضیہ نے کہا:

"مسٹر عزیز آپ شاید کسی غلط فہمی بلکہ شدید احساسات کا شکار ہیں۔"

اور رضیہ یہ کہہ کر طنز یہ انداز میں مسکراتی رہی۔

عزیز کو اس پر تعجّب بھی ہُوا، اور کچھ غصّہ بھی آیا کہ یہ عورت عجیب قماش کی ہے۔ الٹا مجھے غلط فہمی اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے کا الزام دے رہی ہے۔

اس نے کہا :

"رضیہ بیگم اب ایسی فضول منطق کو چھوڑ دو۔ میں جمیل کی طرح سادہ لوح اور بقول تمھارے احمق نہیں ہوں۔ تم نے مجھے مسٹر عزیز سے عزیز اور آپ سے تم خطاب جو کرنا شروع کیا یہ سب کچھ بے سبب تو نہیں اور پھر......"

رضیہ نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

اور بولی :

"گویا آپ کو یقین ہے کہ میں آپ سے عشق کرتی ہوں اور ثبوت میں آپ نے میری اس بے تکلفی کا جواز پیش کیا، یہی نا؟"

عزیز نے کہا :

"آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر تم خود اپنا منہ چڑا رہی ہو، اور شکل بگڑنے کا الزام مجھ پر۔ رات کے واقعہ کے بعد اب تمھارا یہ کہنا کہ گویا صرف تمھاری بے تکلفی سے مجھے تمھارے عشق کا گمان یا یقین ہے میں نہیں سمجھتا کہاں تک ٹھیک ہے۔ اب تم مجھے جمیل کی طرح احمق سمجھتی ہو یا بنانا چاہتی ہو۔"

رضیہ کہنے لگی :

"عزیز تم بار بار رات کے واقعے کا ذکر کر کے مجھ سے انتقام لینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

عزیز : انتقام کا ہے کا؟

رضیہ : اپنی مردانہ سرشت کا۔
عزیز : ورنہ مجھے جمیل کی طرح یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ سب کچھ خواب تھا؟
رضیہ : تم نے جمیل کو یقین نہیں دلایا کہ خواب تھا؟
عزیز : میں جمیل کی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔ کیا مجھے بھی اسے خواب ہی سمجھنا چاہیے؟
رضیہ : خواب تو سب کے لیے خواب ہی ہوتا ہے جناب"۔
عزیز : لیکن بعض خواب اصلیت بھی ہوتے ہیں۔
رضیہ : ہاں اور اسی طرح بعض اصلیتیں خواب ہوتی ہیں۔
عزیز : خیر کچھ بھی ہو، اب مناسب یہی ہے کہ ان سب باتوں کو خواب ہی سمجھو اور ایک شریف معقول آدمی کی زندگی کو تباہی سے بچا کر اپنا سکون و آرام بھی خراب نہ کرو۔
رضیہ : عزیز صاحب! میں جو کچھ تھی وہی ہوں اور وہی رہوں گی۔ آپ کی نصیحت کا شکریہ۔
عزیز : یعنی اس طوفان سے سلامت نکل آنے کے بعد بھی تم طوفان ہی میں زندگی گزارنا چاہتی ہو۔
رضیہ : میں نہیں سمجھی آپ کس طوفان کا ذکر کر رہے ہیں۔
عزیز : آپ کے دل اور جذبات کے طوفان کا۔
رضیہ : (ہنس کر بولی :)
بہت خوب۔ اور آپ کتنے ہیں مغالطہ میں مبتلا نہیں۔
عزیز : اگر تم کو اصرار ہے تو جمیل کی خاطر میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ اس کی طرح میں بھی مغالطہ میں مبتلا ہوں۔

رضیہ : مگر آپ کو اپنی عقل علم اور فلسفہ کا جو بڑا دعویٰ ہے۔

عزیز : رضیہ بیگم میں بے کار بحث کو بڑھا کر جمیل کی زندگی عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ چھوڑیئے اس قصہ کو اور بھلا دینے کی کوشش کیجیے۔

رضیہ : بہت بہت شکریہ ! مگر تمھیں صرف جمیل سے ہمدردی ہے مجھ سے بالکل نہیں۔

عزیز : اس کی وجہ سے تم سے بھی۔ میں اس کی سچّائی اور نیک دلی کا دل سے معترف ہوں۔

رضیہ : اور میری برائی اور جھوٹ کے ؟

عزیز : یہ میں نے کچھ نہیں کہا۔

رضیہ : کہنا یہی چاہتے ہو۔

عزیز : تم جب دلوں کی بات سمجھتی ہو تو میں کیا کہوں۔

رضیہ : مگر تم سے زیادہ سمجھ دار تو میں نہیں۔

عزیز : مجھے کوئی مغالطہ کم سے کم نہیں ہے۔

رضیہ : میں سمجھتی ہوں کہ ہے۔

عزیز : اس کا ثبوت ؟

رضیہ : ایک خواب کو حقیقت سمجھنا۔

عزیز : رضیہ اب بار بار اس کا ذکر کر کے مجھ سے سچ نہ کہلواؤ۔

رضیہ : سچ کی ہمت میں نے بہت کم مردوں میں دیکھی ہے۔

عزیز : اور میں اس کے برعکس سمجھتا ہوں۔

رضیہ : یعنی ؟

عزیز : سچ سننے کی ہمت بہت کم عورتوں میں ہوتی ہے۔

رضیہ : مگر ہوتی تو ہے نا ؟ اس سے تم کو انکار نہیں ؟
عزیز : شاید
رضیہ : تو پھر مجھے ان کم عورتوں میں سمجھ کر سچ کہہ ڈالو۔
عزیز : تم نے جو کچھ کیا یہ سچ تھا؟
رضیہ : اگر سچ پوچھتے ہو تو سچ نہیں۔
عزیز : کیا مطلب ؟
رضیہ : مطلب تم خود سمجھ لو اور اگر تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ جو کچھ میں نے کیا وہ ٹھیک تھا یا نہیں تو اس کا جواب مختلف ہے۔
عزیز : وہ کیوں ؟
رضیہ : اس لیے کہ سچ اور ٹھیک میں بڑا فرق ہے۔
عزیز : وہ کیا ؟
رضیہ : آپ جیسے فاضل فلسفی کو میں کیا سمجھاؤں۔ یہ تو صاف بات ہے کہ ایک کام میں نے کیا آپ کی نظر میں وہ ٹھیک نہیں مگر میں نے اسے ٹھیک سمجھا جب ہی کیا۔ لیکن ایک بات میں نے کہی اگر وہ سچ ہے تو آپ اور میں دونوں یا کوئی ایک اسے غلط ثابت کرنا بھی چاہیں تو ممکن نہیں۔ وہ اپنی جگہ سچ ہی رہے گی۔
عزیز : اس سے اندازہ ہوا کہ تم خاصی منطقی بھی ہو۔
رضیہ : شکریہ !
عزیز : تو پھر طے کیا ہوا ؟ ٹھیک اور سچ کا فیصلہ کیا رہا ؟
رضیہ : جو تم نے سمجھا۔
عزیز : میرے سمجھنے کا سوال نہیں۔ معاملہ تو تمھاری سچائی کا ہے۔

رضیہ : میں نے کہہ تو دیا کہ جو کچھ کیا وہ سچ نہیں تھا۔

عزیز : اب تم نے ناٹک کا دوسرا ایکٹ شروع کیا۔

رضیہ : مجھے اس ناٹک کی ہی نہیں خبر تو پہلے اور دوسرے ایکٹ کا کیا پتہ۔

عزیز : تو یہ ناٹک نہیں تھا اور سچ بھی نہیں، پھر کیا تھا؟

رضیہ : عزیز تم اس قصہ کو ختم کرنے کو بھی کہتے ہو اور اصرار کرتے ہو کہ میں سچ اگل دوں جس کی تلخی تمھارے منہ کا مزا ہی نہیں شاید دماغ بھی خراب کر دے۔

عزیز : اچھا تو پھر تم اپنے زعم میں خوش رہو۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ اب تو تم جمیل سے بدسلوکی نہ کروگی؟

رضیہ : میں نے کبھی اس سے بدسلوکی نہیں کی۔

عزیز : اس سے نفرت جو کرتی ہے۔ وہ تمھارے کل کے قول کے مطابق تمھیں سخت ناپسند ہے۔

رضیہ : میں۔ میں نے اسے ناپسند نہیں کیا۔

عزیز : جمیل کو پسند کرتی ہو؟

رضیہ : ہاں! وہ میرا شوہر۔ میرا شریک حیات ہے۔

عزیز : مگر محبت تم مجھ سے بھی کرتی ہو؟

اس پر رضیہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔
عزیز اسے گھور کر دیکھنے لگا۔
وہ ہنستے ہنستے بولی :
"شدید مغالطہ ....."

اور ہنسی میں اس کی آواز نہ نکل سکی۔

عزیز تعجب سے اسے تک رہا تھا کہ :

"آخر رضیہ کس قسم کی عورت ہے اس کی کس بات کا اعتبار کیا جائے؟"

عزیز نے کہا :

"اور پھر بھی تم کہتی ہو تم نے ناٹک نہ کھیلا؟"

رضیہ بولی :

"اگر تم اسے ناٹک سمجھتے ہو تو پھر ضرور کھیلا۔"

عزیز بولا :

"تو یہ سب کچھ کس لیے تھا؟"

رضیہ کہنے لگی :

"اب تم مجبور ہی کرتے ہو تو سنو — مجھے تم سے کوئی محبت تھی نہ ہے اور نہ اس قسم کی حماقت میں مبتلا ہونے کا کوئی امکان ہے۔"

عزیز نے کہا :

"تو پھر؟"

رضیہ بولی :

"محض دل لگی۔"

عزیز نے پوچھا :

"دل لگی؟ کیوں؟"

رضیہ نے جواب دیا :

"ذرا تمھیں آزمانے کے لیے۔"

عزیز : میرے آزمانے کی ضرورت تمھیں کیوں پیش آئی ؟

رضیہ : یہ میری مرضی ۔

عزیز : اس انوکھی مرضی کی کوئی وجہ بھی آخر ؟

رضیہ : نہ ہو ۔ تمھاری منطقی باتوں اور الجھی ہوئی دلیلوں سے چڑ سی ہونے لگی تھی ۔ یہ بھی اندازہ ہُوا کہ تم محبت کے قائل نہیں ہو، اور تمھارا دعویٰ ہے کہ تم عورتوں کو بے اعتبار سمجھ کر ان سے نفرت کرتے ہو ۔ ان کے پھندے میں گرفتار نہیں ہو سکتے ۔

عزیز : یہ سب درست ہے لیکن تمھارا ان باتوں سے کیا تعلّق ؟

رضیہ : ایک مرتبہ باتوں باتوں میں جمیل نے تمھارے ان خیالات کا اظہار کیا اور بتایا کہ تم عورتوں کو فریبی مکّار ، اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہو ۔

عزیز : پھر ۔ ؟

رضیہ : مجھے ضد ہو گئی کہ تمھاری یہ ضد ختم کر کے رہوں گی ۔

عزیز : سمجھا اور اس کے لیے تم نے یہ سارا کھیل کھیلا ۔

رضیہ : بے شک !

عزیز : لیکن یہ باتیں شرمناک نہ تھیں ؟

رضیہ : یقیناً سخت شرمناک اور ذلیل ۔

عزیز : تم اس پر شرمندہ نہیں ہو ؟

رضیہ : اس پر نہیں ۔ مگر اپنی اور جمیل کے اعتماد کی شکست پر ضرور شرمسار ہوں ۔

عزیز : جمیل تو اس اصلیت سے بے خبر ہی رہا نا ۔ اس کا اعتماد اپنی جگہ قائم ہے ۔

رضیہ: مجھے ابھی اس پر یقین نہیں۔

عزیز: خیر وہ تمھارے اور اس کے باہمی سلوک پر منحصر ہے۔

رضیہ: ہاں! لیکن تم یقیناً انسان نہیں ہو۔

عزیز: تمھارے نزدیک شیطان ہی سہی مگر میں مطمئن ہوں کہ مجھے اپنے اعتقادات میں شکست نہ ہوئی۔

رضیہ: میں اس کو بھی اتفاق سمجھتی ہوں۔

عزیز: ورنہ تم مجھے شکست دے سکتی ہو۔

رضیہ: ممکن تھا۔

عزیز: خیر مجھے اس آزمائش کی ضرورت نہیں۔

رضیہ: میں خود اب اس حماقت میں مبتلا ہونا ذلت سمجھتی ہوں۔

عزیز: شکر ہے تمھیں اس کا احساس ہوا۔

رضیہ: احساس پہلے بھی تھا لیکن نہ جانے کیوں تمھارے خیالات پر فتح پانے اور تمھاری نفرت کا انتقام لینے کے جوش نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا اور اس خیال سے کہ تمھیں اپنی چاہت کا دم بھرتے دیکھ کر جو خوشی مجھے حاصل ہوگی دنیا کی ہر ذلت گوارا کرنا معیوب نہیں۔

عزیز: یہ تمھاری غلطی نہ تھی ؟

رضیہ: نہیں! یہ میری نہیں میرے ماں باپ اور ماں کے چال چلن، میرے ماحول اور تربیت کی غلطی ہے۔ میں نے ہوش سنبھالا تو غلط ماحول میں پرورش پائی۔ اپنے والدین کے طور اطوار دیکھے اور انھیں جس روش پر چلتے دیکھا۔ میرے شعور میں وہ انداز ایسے سمائے کہ میں برائی بھلائی میں فرق سمجھنے کے قابل نہیں رہی۔ عزت اور ذلت کی باتوں کا صحیح

احساس ہی نہ ہونے پایا۔ ماں باپ نے مخش فلمیں دکھا کر اور گھٹیا ناول پڑھنے کی آزادی دے کر میرے خیالات میں بدحواسی اور بے راہ روی پیدا کر دی۔

عزیز : لیکن ان سب باتوں کا احساس اچانک کیوں اور کیسے ہوا ؟

رضیہ : رات کی شکست اور ذلّت نے مجھ میں ایک نیا احساس، اور خیالات میں بیداری پیدا کی۔ مجھے سچ مچ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے رات ایک پریشان خواب دیکھا ہے اور اس نے مجھے چونکا دیا ہے۔ میرے اندر گویا ایک نئی رضیہ جاگ اٹھی ہے میں نہیں بتا سکتی کہ رات بھر میں کس کش مکش میں مبتلا رہی ہوں۔

عزیز : اور تمھاری یہ بیماری اسی کش مکش کا نتیجہ ہے ؟

رضیہ : شاید — اور دوپہر تک میں تنہائی میں پڑی پڑی اپنے ماضی کے ماحول اور گزشتہ حالات پر غور کرتی رہی۔

عزیز : اور اسی غور کا نتیجہ ہے کہ تمھیں عزّتِ نفس کا سچّا احساس پیدا ہوا۔ تمھارے اندر جو نیکی اور سچّائی کی صلاحیتیں تھیں اور جو غلط تربیت کے اثر سے سو گئی تھیں وہ اس ضرب سے جاگ اٹھیں۔

رضیہ : بہرحال کچھ بھی ہو لیکن مجھے ایک نئی زندگی ملی۔ ممکن ہے رات بھر کی کش مکش مجھے مغلوب کر لیتی اور بار بار میرے ذہن میں جو کشاکش تھی وہ مجھے خودکشی پر آمادہ کر دیتی۔

عزیز : تو تم یہ سب کچھ سوچتی رہیں ؟

رضیہ : ہاں — سب کچھ !

عزیز : یہ بھی کہ تم خودکشی کر لو !

رضیہ : بے شک !

عزیز : اور کس خیال سے ایسا نہ کر سکیں۔ موت کے ڈر سے ؟

رضیہ : نہیں۔ جمیل کے خیال سے۔

عزیز : کہ تم خودکشی کر لو گی تو اسے شدید صدمہ ہوگا، یہی نا ؟

رضیہ : نہیں ۔ یہ خیال نہیں تھا۔

عزیز : اور — ؟

رضیہ : سوچتی تھی کیا کچھ افسانے بنیں گے۔ تم اس کو بتاؤ گے۔ وہ سب کچھ دیکھ چکا ہے۔ لوگ کیا کیا باتیں کریں گے اور جمیل زمانہ بھر میں رسوا ہوگا۔ میری ذلّت کی بدولت۔

عزیز : یہ سب تمھارے اندر کی شرافت اور نیکی کا سبب تھا۔

رضیہ : میری نہیں ۔ اصل میں جمیل کے دل کی سچائی اور بھلائی کا اثر ہے جس کی میں پوری طرح قائل ہو چکی ہوں۔

عزیز : اور فرض کرو رات میں تمھارے ناٹک میں بہک جاتا اور جس طرح تم مجھے گھسیٹ رہی تھیں میں تمھارا ہاتھ پکڑ لیتا تو پھر کیا ہوتا ؟

رضیہ : یہ تو اسی وقت معلوم ہوتا۔

عزیز : کچھ بتاؤ بھی تو !

رضیہ : وہی جو ایسے ناٹک میں ہُوا کرتا ہے۔

عزیز : یعنی ؟

رضیہ : شدید تصادم۔

عزیز : میں اب بھی نہ سمجھا۔ اگر میں بھی تم کو اسی طرح گھسیٹ کر سینہ سے ......

رضیہ بات کاٹ کر بولی :

"ایسا دھکّا دیتی کہ منہ کے بل گرتے"۔

عزیز : یہ ہمّت تھی تم میں ؟

رضیہ : اگر اتنی ہمت نہ ہوتی تو اس آزمائش کی جرأت کیسے ہوتی مجھے ؟

عزیز : تم نے کیا یہ سب کچھ پہلے سے سوچ سمجھ لیا تھا ؟

رضیہ : اچھی طرح۔

عزیز : مجھے تمھارے یہ خیالات معلوم کر کے خوشی ہوئی۔

رضیہ : لیکن میں حیران ہوں کہ جمیل کس قسم کا انسان ہے۔ کیا ایک شخص محبّت میں اتنا احمق بھی ہو سکتا ہے ؟

عزیز : وہ کیوں ؟

رضیہ : وہ اس حقیقت کو خواب کیسے سمجھ بیٹھا۔ یہ حیرت کی بات تو ہے۔

عزیز : بالکل نہیں۔

رضیہ : وہ کیوں ؟ کیا یہ اس کی شدید محبت کا اثر ہے ؟

عزیز : نہیں بلکہ میری اس دوا کا یہی اثر ہونا تھا جو میں نے اسے دی تھی۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ گزرے ہوئے واقعات انسان کے ذہن سے محو ہو جاتے ہیں اور محض دھندلے نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جاگنے کے بعد بلکہ ہوش میں آنے کے بعد خواب کی باتیں سمجھتا ہے۔

رضیہ : تو پھر یہ تمھارا کمال تھا۔

عزیز : اس کی سادگی اور نیکی کو بھی اس میں دخل ہے۔

رضیہ : مجھے اس کی انہی باتوں پر ترس آنے لگا ہے۔

عزیز: ترس نہیں یہ چاہت ہے جو تمھارے لاشعور میں یا تحت الشعور میں جمیل کے لیے دبی ہوئی تھی۔ تم یقیناً اسے پسند کرتی رہی ہو۔

رضیہ: میں نے اسے ناپسند بھی کب کیا لیکن محبّت کا اقرار مجھے اس سے زیادہ نہیں کہ وہ میرا شوہر ہے اور میرے عیش و آرام کا ذمہ دار۔

عزیز: تم اب اس سے انکار نہیں کر سکتیں۔ محبت کا زمانہ اب آ رہا ہے۔ تمھیں اچھی طرح احساس ہو جائے گا کہ تم اسے چاہتی بھی ہو۔

رضیہ: اس کے باوجود میں سمجھتی ہوں اس رات کی حماقت کی خلش مجھے کبھی چین سے نہ رہنے دے گی۔

عزیز: تم بھی اسے بھول جاؤ اور خواب سے زیادہ اہمیت نہ دو۔

رضیہ: یہ کیسے ممکن ہے۔ اگر یہ ہو سکتا تو تم نے مجھے بھی تو اسی دوا کی گولیاں دی تھیں جو تم کہتے ہو جمیل کو دیں۔ مجھ پر ان کا اثر کچھ بھی نہیں ہُوا۔

عزیز کچھ کہنے والا تھا کہ سامنے کسی کی آہٹ سی معلوم ہوئی۔
اس نے کہا:
"شاید جمیل آ رہا ہے"۔
دونو کچھ دیر چپ چاپ پردے کی طرف تکتے رہے۔
لیکن کوئی بھی نہ آیا۔
رضیہ نے کہا:
"تمھیں وہم تھا۔ کوئی نہیں ہے"۔
عزیز بولا:
"ہاں تم کہہ رہی تھیں جمیل پر گولیوں نے جو یہ اثر کیا کہ وہ اصلیت کو

خواب سمجھ رہا ہے تم پر انھوں نے یہ اثر کیوں نہیں کیا تو اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تم اس ناٹک کی مصنف تھیں بلکہ خالق۔ پھر تمھارے نفس اور ضمیر کے درمیان ایک عظیم کشمکش جاری تھی وہ دوا کی تاثیر پر غالب آئی اس لیے اس کا اثر زائل ہو گیا۔

رضیہ: کاش جمیل خواب کے دھوکے میں رہے۔

عزیز: ہاں اس کے اور تمھارے لیے یہی بہتر ہے۔

ابھی یہ جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا۔

کہ بائیں سمت کے دروازے کا پردہ زور سے ہٹا۔ اور جمیل شیر کی طرح بپھرا ہُوا اندر داخل ہُوا۔

اور جوشِ غضب سے چیخ کر بولا:

"ذلیل کمینو تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ اور اپنی ذلتوں کے راگ گلیوں میں گاتے پھرو۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے خلوص اور بھلائی کا تم دونو مجھے یہ بدلہ دوگے۔ عزیز! تو واقعی رذیل شیطان ہے۔ میں ابھی تم دونو کی باتیں اچھی طرح سن چکا ہوں اور سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ یہ تو ایک بدچلن باپ اور آوارہ عورت کی بیٹی ہے۔ گناہ کی اولاد سے اس سے زیادہ اور کیا امید ہو سکتی ہے۔ میری منکوحہ بیوی اور میرے سامنے میرے دوست سے یوں رات بھر معاشقہ کرتی رہے۔ اور تو کمینے مجھے بے ہوشی کی دوا دے کر اپنی ذلیل آوارگی پر خواب کا پردہ ڈالنے چلا ہے۔ اب جب حقیقت سامنے آ گئی ہے تو نے باغیچہ میں کسی خاص سبب سے محض

نقالی کی تھی اور جب مجھے بے ہوش کر کے سلا دیا تو اس وقت تم دونو خوب اپنی من مانی کرتے رہے ہوگے اور یہ آوارہ کتیا رات بھر عیش کر کے جاگتے رہنے کی وجہ سے صبح بیماری کا بہانہ کر کے سوئی پڑی رہی۔ اب میری عدم موجودگی میں میدان خالی پا کر اندھیرے میں اپنی تاریک زندگی کی گندگیوں پر خود ہی روشنی ڈال رہے ہو۔"

جمیل غصہ اور رنج سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

عزیز حیران پریشان کھڑا اس کی بے تُکی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ اور اپنی بے گناہی اور اس کی غلط فہمی کا کیسے یقین دلائے۔

رضیہ پہ موت کی سی زردی چھاگئی تھی۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ عزیز کا خیال غلط تھا جمیل کو رات کے واقعات پر خواب کا گمان ہرگز نہ تھا۔ بلکہ وہ عینی شاہد کی حیثیت سے سب کچھ جانتا ہے۔ یہ سمجھنے سے اس کا ذہن اس وقت عاجز تھا کہ اسے عزیز پر غضب ناک ہونے کی کیا ضرورت ہوئی جب کہ اس ناگوار واقعہ کی تنہا ذمہ دار صرف اس کی ہی ذات ہے۔

عزیز اور رضیہ کو جمیل کی لعنت ملامت نے یہ سوچنے کا بھی موقع نہ دیا کہ اگر وہ پردہ کے پیچھے چھپا ہوا ان دونو کی باتیں سنتا رہا ہے تو اس پر ساری حقیقت کیوں نہ ظاہر ہوئی اور وہ حالات کو سمجھنے کے بعد انھیں کیوں مطعون کر رہا ہے۔

البتہ عزیز کو یہ خیال اب آیا کہ ان دونو کو باتوں میں یہ دھیان نہیں رہا کہ

شام کا دھندلکا ہونے کے باوجود انھوں نے روشنی نہیں کھولی۔
اور آہستہ سے بڑھ کر روشنی کردی۔
کمرے میں روشنی پھیل گئی۔
تینوں کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے چمکنے لگے۔
اور آپس میں نگاہیں ملیں۔
غیظ وغضب، حیرت، ندامت، شرمندگی اپنی اپنی جگہ نمودار تھی لیکن دیکھنے والوں میں صحیح احساس کی قوت نہ تھی۔
جمیل نے عزیز کی طرف طیش میں بڑھتے ہوئے چلّا کر کہا:
"تم میرے سامنے سے دور ہو جاؤ اور اس کمینی کو بھی لے جاؤ۔ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"
عزیز نے سنبھل کر کہا:
"جمیل ہوش میں آؤ تم بے کار بہک رہے ہو۔"
جمیل بولا:
"بے شک میں ہی بہک رہا ہوں کیوں کہ تم دونوں شیطانوں کے عیش میں خلل انداز ہوا ہوں۔"
رضیہ نے اپنی پوری ہمت سے کام لے کر کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر جمیل اس کے لبوں کی جنبش دیکھ کر بُری طرح چیخا:
"ذلیل فحبہ تو خاموش رہ۔"
اور پلٹ کر پھر عزیز پہ گرجا:
"میں کہتا ہوں یہاں سے چلا جا مردود۔"
عزیز بولا:

"جمیل بہت ہو چکا۔ بس زبان کو قابو میں رکھو اور حالات کو سمجھو۔"
اور جمیل نے دانت پیستے ہوئے جھپٹ کر اسے دھکّا دینے کا ارادہ کیا کہ کمرے سے باہر نکال دے۔

رضیہ جو کسی شدید خطرے سے کانپ رہی تھی بڑھ کر ان دونو کے درمیان آگئی اور جمیل نے اسے عزیز کی حمایتی سمجھ کر ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ منہ کے بل فرش پر گری۔ عزیز نے جلدی سے اسے جھک کر اٹھانے کا قصد کیا۔ مگر جمیل ہوش و حواس میں کہاں تھا اس نے عزیز کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دھکّے دے کر باہر کرنے لگا۔

عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا۔
کوٹھی کے تمام نوکر چاکر بڑا خانساماں شور و غل سن کر بھاگے ہوئے آئے لیکن اندر کا نظارہ دیکھ کر خوف زدہ باورچیوں کے کمروں میں چھپ چھپ کر جھانکنے لگے۔

❖

عزیز کو بھی اب بڑا غصہ آیا کہ میں جمیل کا لحاظ کر رہا ہوں اور اس سے پہلے اس کی اتنی تعریفیں کر رہا تھا۔ اس کی عزت بچانے کے لیے میں نے یہ سب کچھ کیا اور اس کے بدلے میں یہ الٹا مجھے ذلیل کر رہا ہے۔ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے بڑا آیا دولت مند کہیں کا۔

اس کے جی میں آیا :

پہلے تو اسے ساری حقیقت بتا دے۔ اس کی بیوی کی بے وفائی کی داستان سنائے اور پھر اس سے پوچھے کہ:

"بتا ! اب تو کیا چاہتا ہے؟"

یا اپنی اس بے عزتی کا جواب ہاتھوں پاؤں سے مقابلہ کر کے لے۔

لیکن وہ بہت عقل مند اور سنجیدہ آدمی تھا۔

اس نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی اور غصہ کو ضبط کر کے اسے ایک بار پھر سمجھایا کہ :

"جمیل حالات کو سمجھو۔ اطمینان سے بات کرو۔"

مگر جمیل پر تو جیسے بھوت سوار تھا۔

اسے ایک تو اپنی بیوی کی بے وفائی اور بے حیائی پر غم و غصہ تھا۔ دوسرے یہ سمجھ رہا تھا کہ عزیز نے دوستی کے پردے میں میرے ساتھ غداری کی۔ رضیہ سے خفیہ تعلقات قائم کر کے ظاہر میں مجھے دھوکا دینے کے لیے یہ کھیل کھیلا ہے۔

اور اس ڈھٹائی سے مجھے اندھیرے میں رکھا ہے کہ مجھے بے ہوش کرکے اسے خواب کے پردے میں چھپایا۔

اس کی نظر میں رضیہ اور عزیز دونوں بڑے عیّار مکّار اور گناہ گار تھے اسے رہ رہ کر طیش آرہا تھا کہ دونو کا خون پی جائے۔

جب عزیز نے اس سے حالات سمجھنے کو کہا تو اور بھی بپھر گیا اور اک دم تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف یہ کہتا ہوا جھپٹا کہ :

"کمینے مکّار ٹھہر جا میں ابھی آ کر تجھ سے سب کچھ سمجھتا ہوں۔ معلوم ہوا تم دونو یہاں سے زندہ نہیں نکلنا چاہتے۔"

رضیہ بدحواس ہو کر عزیز کی منّت کرنے لگی :

"خدا کے لیے تم جلدی یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ اس وقت ہوش میں نہیں ہے نہ جانے کیا کر بیٹھے۔"

عزیز کچھ نہ بولا۔

وہ نہایت سنجیدگی سے کھڑا صورتِ حال پر غور کر رہا تھا۔ اور رضیہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر منّتیں کر رہی تھی کہ :

"تم چلے جاؤ۔"

اتنے میں جمیل دوسرے کمرے سے پھر آیا۔

اس کے ہاتھ میں واقعی پستول تھا۔

جس کا اندیشہ پہلے ہی رضیہ کے دماغ میں تھا۔

جمیل کے اندر آتے ہی رضیہ پر لرزہ طاری ہو گیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ جمیل آگے بڑھ کر کوئی اقدام کرے اچانک کمرے کی روشنی بند ہو گئی بلکہ ساری کوٹھی کی بتّیاں گل تھیں۔ اور اندھیرا گھپ چھا گیا۔

جمیل نے اٹکل سے عزیز کا نشانہ باندھ کر دو تین فائر کیے اور اس کے بعد رضیہ کا رخ کیا۔

اس نے آخری گولی تک خالی کر دی۔

اور اس عرصہ میں اسے رضیہ کی چیخ اور گرنے کی آواز سنائی دی۔

مگر عزیز کی کوئی آواز نہ سنی۔

رضیہ کے ختم ہو جانے کا اسے یقین ہو گیا۔

وہ ساکت وصامت اسی بدحواسی کے عالم میں کھڑا تھا۔ کہ ایک دم روشنی ہو گئی۔

اس کے سامنے فرش پر رضیہ بے حس وحرکت پڑی تھی۔ جسے دیکھ کر رنج کے بدلے اسے غصہ آیا۔

عزیز ایک طرف کرسی پر سر پکڑے خاموش بیٹھا تھا۔

اس نے پستول پھینک کر عزیز کی طرف مارا۔ وہ جھنجلایا ہوا تھا کہ رضیہ تو ہلاک ہو گئی اور یہ بچ گیا۔ کم از کم اسے زخمی ہی کر دوں۔

عزیز نے جلدی سے سر نیچا کر لیا۔ اور پستول سامنے دیوار پر لگ کر زمین پر جا گرا۔

جمیل کے ہاتھ پاؤں شل تھے۔ اور سر گھوما جا رہا تھا۔ وہ گرتے گرتے سنبھلا اور کرسی کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔

عزیز نے پہلے ہی روشنی میں غور سے دیکھا تھا کہ رضیہ کے جسم کے کسی حصہ سے خون تو نہیں بہہ رہا ہے لیکن خون کا کوئی نشان تک کہیں نظر نہ آیا۔

وہ چپکے سے اٹھ کر باہر گیا۔

اور ایک خادمہ کو بلا کر لایا۔

جمی نے بوڑھے خانساماں کی مدد سے رضیہ کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچا دیا۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا۔

اور جمیل چپ چاپ بیٹھا رہا۔

وہ قطعاً بے حس و حرکت تھا جیسے غم اور غصہ کی شدّت نے اس کے دل اور دماغ دونو کو ماؤف کر ڈالا ہو۔

نوکروں کے رونے پیٹنے کی آواز سن کر اسے کچھ ہوش آیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے سے عزیز آ رہا تھا۔

عزیز کو اب بھی اس کی صورت دیکھ کر ترس آ گیا کیوں کہ اس کی آنکھوں میں یاس اور ملال کی جو شدّت اور مجبوری کا جو عالم دیکھا وہ اس کی تاب نہ لا سکا۔ اور رینگ کر جمیل کی کرسی کے پاس پہنچ کر اس کے پاؤں کے پاس فرش پر بیٹھ گیا۔

خاموشی بدستور مسلّط رہی۔

عزیز سوچتا رہا :

جمیل سے کیا کہے ؟

گفت گو کا آغاز کس طرح کرے ؟

تھوڑی دیر بعد سوچنے کے بعد اس نے کہا :

"جمیل مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں زندہ رہ گیا اور ایک بے گناہ..."

جمیل بات کاٹ کر گرج اٹھا :

"خاموش ہو جاؤ۔ وہ تمھاری قسمت تھی اور یہ میرا نصیب — تم بے گناہ — وہ بے حیا بے گناہ — ایک گناہ گار نو میں بدنصیب"۔

اور اس کی آواز جیسے خود بخود رندھے ہوئے گلے میں اٹک کے رہ گئی۔

وہ جو تھوڑی دیر پہلے اس میدان میں سینہ تانے کھڑا اپنے حریفوں کو بہ زعم خود موت کی نیند سلاکر فاتح بننے کے جوش میں سربلند نظر آرہا تھا اپنے وار کا خود نشانہ بنا شکست و ہزیمت کے احساس سے چور چور ہو رہا تھا۔

وہ ایک بار پھر پستول بھر کر روشنی میں عزیز کو اپنی نشانہ بازی کے جوہر دکھا سکتا تھا مگر اب کیا فائدہ تھا۔ اب اس کے دل میں وقت نے گزرتے گزرتے "آناً فاناً" جوش و ولولہ ہی ختم کر دیا تھا پھر وہ کیسے ٹھنڈا کرنے کے لیے عزیز پر وار کرتا۔ اس کی دانست میں تو عزیز کے بھرپور وار نے اس کا سب کچھ ختم کر ڈالا تھا۔ وہ محبوب دوست بن کر اس کے گھر میں داخل ہوا، اور چوری چوری اس کے عشرت محل کو لوٹ کھسوٹ کر چلتے چلتے آگ بھی لگادی۔ کہ ساز و سامان ہی نہیں وہ سارے کا سارا بھسم ہو کر خاکستر بن گیا۔

"اب عزیز اس خاکستر کو کریدنے کیوں بیٹھا ہے؟"

اس نے سوچا۔

اور نیم جان آواز میں اس خاک کے ڈھیر کو نہ چھونے کی صدا دی۔

عزیز اس کی آواز اور شکل صورت دیکھ کر خائف ہو گیا اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں جمیل اس شکستگی کی حالت میں اپنی جان نہ دے دے۔ صدمہ کی شدّت سے پاگل نہ ہو جائے۔

وہ سوچتا رہا۔

سوچتا رہا۔

مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ اسے اپنی بے گناہی اور رضیہ کی سچّائی کا یقین کیسے دلائے۔ کس پیرایہ میں بات شروع کرے۔

یوں تو عزیز خاصا ذہین، نکتہ شناس اور زود فہم آدمی تھا۔ وہ کسی حادثہ سے

بھی دل میں خوف نہ آنے دیتا۔ اس سے پہلے اس کی زندگی متضاد کیفیتوں کا مجموعہ رہی تھی۔ اس کا ظاہر و باطن ہرگز یکساں نہ تھا۔ عموماً وہ وقت کی رفتار اور موقع کا قائل تھا۔ دوستی یا دشمنی دونو کا اظہار وہ جس شدّت سے کرتا حقیقت میں اس میں بڑا فرق ہوتا تھا۔

اسے سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔

لیکن معلوم نہیں کیوں جمیل کے سامنے اس کی سچائی سے مغلوب ہو کر یا محض دکھاوے کے طور پر اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

اس کے دل و دماغ میں کبھی خوف یا تشویش کا کوئی شائبہ تک پیدا نہ ہونے پاتا اس وقت وہ جمیل کے سامنے حد سے زیادہ فکرمند نظر آ رہا تھا اور اس کی ساری دانش و حکمت بھی جواب دیتی معلوم ہو رہی تھی۔ ممکن ہے یہ جمیل کی حالت دیکھنے سے ہوا ہو۔

آخر رفتہ رفتہ عزیز نے اپنے ذہن کی قوتوں کو جھنجھوڑ کر بیان کا کچھ ایسا پیرایہ اختیار کیا جس سے جمیل خاموشی سے اس کی گفت گو سننے پر مجبور ہو گیا اور وہ شروع سے آخر تک سارے حالات سچ سچ بیان کرتا رہا۔

اسے اس نے جتا دیا کہ در اصل جسے وہ خواب سمجھتا رہا اور اب ان دونو کی باتیں سن کر اس خواب کی حقیقت کو سمجھ بیٹھا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ اصل واقعات یہ ہیں۔

جمیل مایوسی کی حالت میں سب کچھ سنتا رہا اور آخر میں اس نے عزیز سے پوچھا کہ:

"جب تم نے مجھے اپنے کمرے میں لٹایا تھا تو میں اپنی خواب گاہ میں صبح کیسے پہنچا؟"

اس پر عزیز نے اس سے کہا کہ :

" میں نے تمھیں نیم بے ہوشی کی حالت میں تھوڑی ہی دیر بعد تمھاری خواب گاہ میں پہنچا دیا تھا تاکہ صبح جب تمھاری آنکھ کھلے تو تمھیں پورے وثوق سے ان واقعات کو خواب سمجھنے کی غلط فہمی رہے۔"

جمیل بولا :

" اس کا مطلب یہ ہُوا کہ رضیہ نے محض تمھیں ستانے اور دِق کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا۔"

عزیز نے جواب دیا :

" یقیناً "۔

جمیل نے پوچھا :

" لیکن وہ تم کو تمھاری مرضی کے خلاف باغیچہ میں کیسے لائی ؟"

عزیز نے جواب میں کہا :

" اس کا سبب محض اتفاق تھا۔ مجھے رات کو نیند نہیں آئی اور میں آدھی رات کو اپنے کمرے سے نکل کر باغیچہ میں چہل قدمی کرنے لگا۔"

جمیل نے پوچھا :

" رضیہ کو اس کا علم کیسے ہُوا کہ تم باغیچہ میں ہو' اور ٹھیک اسی وقت وہ بھی وہاں پہنچ گئی ؟"

عزیز نے کہا :

" یہ سوال خود میں نے ان سے کیا تھا - انھوں نے بتایا کہ وہ میرے کمرے میں گئی تھیں وہاں مجھے نہ پا کر برآمدے میں کھڑی تھیں کہ

مجھے باغیچہ میں دیکھا اور وہاں پہنچ گئیں۔"

عزیز کے دریافت کرنے پر جمیل نے اس کو بتایا کہ:

"میں نے تم لوگوں کی گفت گو کا صرف آخری حصّہ سنا تھا۔ میں تھوڑی دیر پہلے یہاں آیا اور رضیہ کو اپنے کمرے میں نہ پاکر مجھے تعجب ہوا کہ وہ علالت کے باوجود کہاں چلی گئی۔ پھر ڈرائنگ روم کے قریب آنے لگا تو آہستہ آہستہ باتوں کی آواز آئی۔ میں اندر آتے آتے رک کر یہ باتیں سننے لگا کیوں کہ میری آنکھوں کے سامنے وہی رات کا باغیچہ کا منظر آگیا اور معًا خیال ہوا کہ رات جو خواب میں نے دیکھا تھا یہ اس کی بھیانک تعبیر ہے۔ چند باتوں سے مجھے یقین ہوگیا کہ تم دونو آپس میں شیر وشکر ہو، اور دوستی کے پردے میں میرے اعتماد کا سینہ چاک کر رہے ہو۔ اس کے بعد مَیں اپنے حواس میں کیسے رہتا۔"

عزیز نے کہا:

"کم از کم تمھیں مجھ سے پوچھنا تو تھا؟"

جمیل بولا:

"لیکن مجھے اس کا یقین کیسے آئے کہ جو کچھ تم نے اب بتایا ہے وہ حقیقت ہے۔ یہ ساری داستان بھی خواب کی طرح دھوکا تو نہیں!"

عزیز نے کہا:

"اس کا ثبوت میرے پاس موجود ہے۔ میں پیش کروں گا لیکن تم نے جو جذبات کی رو میں یہ بربادی کی، اس کا کیا ہوگا؟"

لیکن جمیل باتوں میں بھول رہا تھا کہ اس نے رضیہ کا خون کر دیا ہے کیوں کہ ـــ ابھی تک وہ پوری طرح ہوش وحواس میں نہ تھا۔

عزیز کی اس بات سے اچانک یہ احساس ہُوا کہ اس نے اپنی محبوبہ کو شک وشبہ کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اس نے اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی سرمایہ ایک وہم، ایک مغالطہ میں اپنے ہاتھوں جلد بازی سے تباہ کر دیا ہے اور اسے معلوم ہُوا کہ :

جیسے اس پہ بجلی گری اور اس کا سارا گھر اور وہ خود شعلوں میں بھن رہا ہے ہر طرف آگ اور دھواں ہی دھواں ہے اس دھوئیں میں اسے کچھ بھی سوجھائی نہ دیا۔

دماغ میں گرم لوہے کی سلاخیں گھستی چلی گئیں۔

دم گھٹنے لگا۔

اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

عزیز کو خطرہ تھا وہی ہوا۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ گھبرایا۔ اس نے جمیل کو اٹھا کر صوفے پہ لٹایا اور نوکر کو بلا کر اپنے کمرے سے بیگ منگوایا۔ ایک شیشی نکال کر جلدی سے ایک خوراک دوا اس کے حلق میں ڈال دی جو تھوڑی باہر گری کچھ اندر مشکل سے گئی۔

اس کے بعد وہ اس کمرے میں بھاگ کر گیا جہاں رضیہ مسہری پر پڑی تھی۔

نوکروں کو عزیز نے پہلے ہی کوئی بہانہ بنا کر باتوں میں ٹال دیا تھا اور وہ صرف اتنا سمجھ رہے تھے کہ صاحب اور بیگم صاحب کے درمیان کسی آپس کی بات پر ناراضی ہو گئی ہے۔

یہ سب عزیز نے اس لیے کیا تھا کہ گھر کی بات باہر نہ جائے اور رسوائی نہ ہو۔

عجیب افرا تفری، طوفان، ہنگامہ۔

لیکن یہ سب کچھ عزیز کی حکمتِ عملی سے کچھ اس طرح ہوتا چلا گیا جیسے کسی منظّم اسٹیج پر ایک ناٹک نہایت اہتمام اور خوش اسلوبی سے کھیلا جا رہا ہو۔ اور اس کا منتظمِ اعلیٰ عزیز تھا جس نے ذرا دیر میں اپنے حواس مجتمع کر کے حالات پر ایسے قابو پایا کہ جو کچھ ہوتا چلا گیا یہ سب اس کے اشارے اور ہدایت پر ہو رہا ہے۔

لیکن عزیز نے شاید خود بھی اس کے کلائمکس اور انجام پر نظر نہ کی تھی۔ اور اب اس ناٹک میں خوفناک اصلیت کا رنگ آتے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اب کیا کرے؟

اس کے سوچے سمجھے منصوبے سب اچانک خاک میں مل گئے جیسے اس کے آراستہ اسٹیج کو بھی وہی آگ لگ گئی ہو جس نے جمیل کو جلا ڈالا۔

جمیل اب صوفے پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔

عزیز کی دوا نے بھی کوئی خاص اثر نہیں کیا اور عزیز کو گھبرا کر ڈاکٹر بلانا پڑا۔

ڈاکٹر نے انجکشن پر انجکشن دے ڈالے۔ جب کہیں جا کے اس نے

آنکھیں کھولیں - وہ بھی نیم بے ہوشی کی حالت میں !

اس کے کان میں ایک پیاری سی ایسی آواز آئی جس نے اسے چونکا دیا - اس کی پیشانی پر نرم و نازک ریشمی انگلیاں پھرتی ہوئی محسوس ہوئیں اور پھر وہی آواز نقرئی گھنٹیاں بجانے لگی :

"جمیل اب طبیعت کیسی ہے ؟"

جمیل کے کانوں نے اعتبار نہ کیا -

اس نے آنکھیں پھیلا کر اپنے سرہانے دیکھا -

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا -

اور دوسرے لمحے اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنی محبوبۂ دل نواز سے دوسرے جہان میں مل رہا ہے -

رفتہ رفتہ رضیہ کے نرم گرم دستِ نگارین کے لمس نے اس کے ہوش بجا کیے - اس نے ذہن پر زور ڈالا - اور کچھ کچھ واقعات یاد آتے گئے -

وہ اپنے ہاتھ میں رضیہ کا ہاتھ لے کر آرزومندانہ انداز میں بولا :

"رضیہ — تم — !"

اور رضیہ نے اس کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بڑے پیار سے کہا :

"جمیل میں تمھارے پاس ہوں - اب تمھاری طبیعت ٹھیک ہے نا ؟"

جمیل نے عزیز کی طرف (جو ایک طرف کھڑا اسے ترسناک نظروں سے دیکھ رہا تھا) دیکھتے ہوئے کہا :

"عزیز یہ سچ مچ رضیہ ہے نا ؟"

عزیز نے جواب دیا :

"ہاں جمیل یہ بھابی رضیہ ہیں تمھارے پاس اور تم ان کے پاس -"

جمیل نے پوچھا :

"اور ہم اسی جہان میں ہیں ؟"

عزیز نے کہا :

"اپنے جہان میں، اپنے مکان میں، اور سب کچھ اسی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ سکون اور مسرّت کے ساتھ۔"

جمیل بولا :

"مگر یہ کوئی معجزہ ہے ؟ کرامت ہے ؟ کیا ہے ؟ عزیز مجھے یقین نہیں آتا۔ آخر رضیہ میری، پیاری رضیہ میرے پاس جیتی جاگتی ...."

اور کہتے کہتے اس کی آواز فرطِ جذبات سے بھرّا گئی۔

پھر ایک دم وہ پھوٹ پھوٹ رونے لگا۔

رضیہ سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔

وہ جمیل کے سینہ پر سر رکھ کر بے اختیار آنسو بہانے لگی۔

عزیز کی آنکھوں سے بھی اشکوں کی جھڑیاں لگ گئیں۔

کچھ دیر یہی کیفیت طاری رہی۔

آخر عزیز نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے آواز پر قابو پاکر جمیل اور رضیہ کو سکون پر لانے کی کوشش کی۔

اس نے کہا :

"بس اب آرام کریں۔ یہ رونے کا وقت نہیں۔ ہنسنے اور خدا کا شکر ادا کرنے کا وقت ہے۔ جس نے اپنے کرم سے ایک بھاری طوفان سروں سے گزار کر امن و عافیت کی زندگی عطا کی۔"

جمیل نے ضبط کر کے رضیہ کے شانوں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا۔

اور لولا :

" عزیز۔ یہ غم کے نہیں خوشی کے آنسو ہیں۔ مسکراتے ہنستے آنسو۔ ان کا ہر قطرہ ابرِ رحمت کا موتی ہے جس نے ہمارے دلوں کو مسرت و راحت کے نور سے لبریز کر دیا۔"

عزیز نے کہا :

" سچ کہتے ہو۔ خدا کی رحمت اپنے گناہ گار بندوں پر کرم کی بارش کرتی ہے۔ اگر اس کے عاجز بندے اپنے گناہوں پر دلیر نہ ہوں اور اس کے سہارے سے مایوس نہ ہو جائیں۔"

پھر عزیز نے جمیل کو آہستہ آہستہ بتایا کہ :

" در اصل رضیہ پر گولی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ پستول کی آواز سے اور اس ہنگامہ سے سہم کر چیخی اور اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی۔ مجھے اس کا اندازہ اسی وقت ہو گیا تھا جب میں نے دیکھا کہ اس کے جسم کے کسی حصہ پر خون کا کوئی نشان نہیں۔ جب اندھیرے میں تم گولیاں چلا رہے تھے اس وقت میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تمھارے کھڑے ہونے کی وجہ سے گولی اوپر کی طرف جائے گی۔ میں فوراً کرسی پر بیٹھ گیا اور سب گولیاں اوپر دیوار سے ٹکراتی رہیں۔ رضیہ کی سمت جو فائر ہوئے وہ بھی اس لیے خطا گئے کہ تمھارا ہاتھ لرز رہا ہوگا اور اندھیرے میں کچھ نظر بھی نہ آ سکتا تھا۔ یہ سب خداوند کریم کی مہربانی اور غیبی امداد تھی کہ تمھارے اندر آتے ہی بجلی فیوز ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ جب میں رضیہ کو نوکروں

کی مدد سے اٹھوا کر کمرے میں لے گیا اور نبض دیکھی تو مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ صحیح و سلامت ہے۔ ہوش میں لانے کے لیے میں نے دوا دی اور تجویز کیا کہ تم کو کچھ دیر ستایا جائے تاکہ تم نے غلط فہمی میں جو طوفان کھڑا کیا اس کا کچھ خمیازہ بھی بھگتو۔ اور جب موقع پا کر میں تمھیں ساری کیفیت سنا سکوں اور بادل چھٹ کر مطلع صاف ہو جائے اس وقت تم اپنے کیے پر خوب پچھتاؤ۔ مگر تمھارا حال تو ایسا غیر ہوا کہ میرے چھکے چھوٹ گئے۔ اور میں نے سوچا کہ اب اگر ذرا بھی دل لگی کی اور رضیہ کو تمھارے سامنے نہ لایا گیا تو خدا نخواستہ تمھارے قلب کی حرکت بند ہو جانے کا خطرہ ہے اور مسیحا کے آتے ہی تم نے آنکھیں کھول دیں۔"

جمیل نے مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ عزیز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے کہا :

"اچھا خاصا ناٹک کھیلا گیا — مگر بڑے مسیحا تو تم ہو میرے پیارے۔"

عزیز بولا :

"ناٹک کا سا حال ہی سمجھو لیکن حالات ہی کچھ ایسے ہوتے گئے۔ ذرا سی بات سے اتنا طول کھینچا۔ پہلے رضیہ بھابی کو میری آزمائش کا شوق ہوا۔ اس سے مجھے غلط فہمی میں ڈالا۔ پھر تم اس غلط فہمی کا شکار ہوئے مگر خدا کا شکر ہے دامن پر کوئی دھبہ نہ آسکا۔ یہ سب اس کا کرم ہے اس کی بخشش اور اسی کی دی ہوئی توفیق ہے۔"

رضیہ نے کہا :

"بھائی تم تو مجھے بیگم صاحب یا رضیہ کہا کرتے تھے یہ اب بھابی کا خطاب

کیوں ؟"

عزیز نے جواب دیا :

"اس وقت میں تمھیں صحیح معنوں میں بھائی نہ سمجھ سکا تھا مگر تم بھی تو مجھے عزیز صاحب یا عزیز کہتی تھیں، یہ اس وقت بھائی کیوں ؟"

رضیہ نے کہا :

"اس لیے کہ اب غلط فہمیوں کے غبار ہٹ گئے ہیں اور میں تمھیں بھائی بنا چکی ہوں"۔

جمیل بولا :

"یہ تم لوگوں کے نئے نئے رشتے شروع ہو گئے"۔

رضیہ کہنے لگی :

"نئے نہیں۔ ذرا باہمی سمجھوتہ نہ ہونے کے سبب یہ مغالطے تھے۔ ہاں مگر جیسے میں آپ کو بھائی کہتی ہوں آپ بھی مجھے اب بہن کہیں"۔

عزیز نے کہا :

"یقیناً - لیکن آپ جناب کے تکلّف کے بغیر"۔

رضیہ بولی :

"منظور"۔

جمیل نے کہا :

"خیر تم دونو بھائی بہنوں نے میری تو جان ہی نکال لی اور اب ایک نئی زندگی کے راز سے آگاہ کر دیا"۔

عزیز بولا :

" جمیل اصل میں تم کو ہی نہیں مجھے بھی رضیہ بہن نے نئی زندگی بخشی ہے۔

اور قدرت کے وہ راز مجھ پر منکشف ہوئے ہیں جن کا میں اب سے پہلے قائل نہ تھا۔ شاید تم کو اس کا علم ہو کہ میں نعوذ باللہ خدا کے وجود کا بھی پوری طرح قائل نہیں تھا۔ یہ ان کی سیدھی سچی باتوں اور تمھارے خلوص اور نیک نیتی نے مجھے بھی ایک نئی راہ دکھائی۔ اور اس ہنگامہ میں تو خدا کی قدرت کا حیرت انگیز مشاہدہ کیا ہے۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ عین ذات کو میں نے آمنے سامنے دیکھا ہے۔ اتنے بڑے ہیبت ناک ڈرامے کا اس قدر خوش آئند انجام لایزال دستِ قدرت ہی نے کیا ہے۔"

رضیہ اور جمیل دونوں کی زبان سے صدق دل سے نکلا :

"بے شک !"

جمیل نے پیار سے رضیہ کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا :

"مگر تمھیں عزیز کی آزمائش کا خبط کیوں ہوا رضیہ ؟"

رضیہ شرما کر بولی :

"میری حماقت یا غلط تربیت اور ماحول کے برے اثر کا پیدا کیا ہوا زعم اور پاگل پن۔"

عزیز نے کہا :

"اب ان باتوں کو دہرانے کا موقع نہیں۔ میں تو ان تمام باتوں کے لیے شکر گزار ہوں کہ مجھے اپنے کردار کو پختہ کرنے اور راہِ راست پر آنے کا موقع ملا۔"

رضیہ بولی :

"اور میں جمیل کی احسان مند ہوں کہ ان کے خلوص دیانت اور ایثار نے جسے میں ابتدا میں ان کی بے وقوفی اور دولت کا غرور سمجھتی رہی مجھے

بے راہ روی سے سنبھلنے کے لیے سہارا دیا - ان کی سادگی اور نیکی جس کے بھائی تم بھی قائل ہو میرے لیے مشعلِ راہ بنی اور تنہائیوں میں مجھے جب غور کرنے کا موقع ملا تو ان کی سچّی محبّت کے گہرے نقوش کو اپنے دل میں بھی منقش ہوتے پایا ۔"

عزیز نے کہا :

" اب ان کی اتنی تعریف نہ کرو کہ واقعی اترانے لگیں - ذرا سی بات پر تو مجھے اور تمھیں یہ گولی کا نشانہ بنا چکے تھے اب نہ جانے کیا سما جائے اور کیا نہ کر بیٹھیں ۔"

جمیل نے دونوں ہاتھ جوڑ کر رضیہ اور عزیز سے معافی مانگی کہ :

" میں اس پاگل پن کے لیے تم دونوں کا خطا وار ہوں مجھے سچّے دل سے معاف کر دو ۔"

ان دونوں نے یک زبان ہو کر کہا :

" تمھارا ہرگز کوئی قصور نہ تھا حالات ہی ایسے تھے ۔"

عزیز نے کہا :

" سچّی بات یہ ہے کہ مادّیت نے ہماری آج کی دنیا میں روحانیت پر غلبہ کر لیا ہے اور آج کا مہذّب تعلیم یافتہ انسان زیادہ تر اپنی عام معاشرتی زندگی میں مادّہ پرستی کی بدولت روح سے خالی ہے - ہماری روح مُردہ ہے اس لیے سکون، امن و عافیت ناپید ہے - جب تک ہماری سب کی روحیں سوتی یا بھٹکتی رہیں اضطراب اور بے راہ روی کا غلبہ رہا - اب ہم میں سے ہر ایک کی روح بیدار ہو گئی - ہم نے راہِ راست دیکھ لیا اور سچّی خوشی حاصل کر لی ۔"

رضیہ اور جمیل نے عزیز کی تائید کی۔
اس نے کہا :
" جمیل تمھیں یاد ہے لطیف عالم آبادی کے گھر یہی بات میں نے کہی تھی۔ وہ شخص شہرت عزّت اطمینان سکون ہر نعمت سے کیوں مالا مال ہے ؟ — قناعت کی بدولت — اور — قناعت روح کی بیداری سے حاصل ہوتی ہے۔"
جمیل نے جواب دیا :
" ہاں مجھے یاد ہے تم نے لطیف سے کہا تھا کہ تمھارے گھر میں کبھی شیطان قدم نہیں رکھ سکتا۔"
عزیز بولا :
" بے شک — کیوں کہ شیطان اور انسان میں یہی فرق ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے :

آدمی کا آدمی شیطان ہے

شیطان روح کو سلانے کا کام کرتا ہے جس آدمی کی روح بیدار ہو وہ انسان ہے اس لیے وہاں شیطان کا گزر نہیں ہو سکتا۔"
رضیہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی :
" میں نے ان دنوں غور کیا ہے تو خوب سمجھ میں آیا ہے کہ میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے مہذّب گھر میں یہی تماشا دیکھا۔ مجھے کبھی کبھی اس سے الجھن ہوتی تھی مگر رفتہ رفتہ عادی ہو گئی۔"
عزیز نے کہا :
" کیوں کہ تمھاری فطرت میں روحانیت کی قوّت بیدار رکھنے کا مادّہ تھا۔

وہی قوّت تمھیں ان ناگوار حالات سے متنفّر کرتی تھی لیکن شیطانی ماحول کے غلبہ سے تمھاری روح پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ وہ سوئی نہیں اس لیے موقع ملتے ہی جاگ گئی۔ انسانیت عارضی برائیوں پر غالب آگئی۔"

جمیل نے کہا :

"خیر۔ ہمیں اب ماضی کو حال کی مسرتوں اور سکون بخش برکتوں میں غرق کر کے رحمتِ خداوندی کا شکریہ بجا لانا چاہیے۔"

عزیز بولا :

"اتنے سستے نہیں چھوٹ سکتے حضور ! ایک شاندار جشن ہوگا۔"

رضیہ نے کہا :

"اس جشن میں ایک ہزار غریبوں اور محتاجوں کو کھانا تقسیم کیا جائے گا۔"

عزیز خوشی سے بولا :

"مرحبا۔ جزاک اللہ۔"

جمیل نے کہا :

"ضرور ضرور۔ کل ہی انتظام کرو۔"

عزیز بولا :

"اور آج کے جشن میں رضیہ بہن ایک ڈراما پیش کریں گی جو خود انھوں نے لکھا اور پیش کیا۔"

رضیہ شرما کر بولی :

"جائیے بھائی۔ دل لگی تو ختم ہوئی۔"

عزیز نے کہا :

"نہیں بھئی دل لگی نہیں۔ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں جمیل سے یہ ڈراما سنانے کا وعدہ کر چکا ہوں۔"

جمیل نے پوچھا :

"کون سا ڈراما — کب ؟"

"ابھی سنواتا ہوں۔"

عزیز یہ کہہ کر جلدی سے اٹھا۔

جمیل اور رضیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیا کرنا چاہتا ہے !

اور رضیہ کی حیرت اور شرم و ندامت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے میز پر ایک کونے میں رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈ پر رضیہ کا ٹیپ بجانا شروع کر دیا۔ اس میں وہ ساری گفت گو ریکارڈ کی ہوئی تھی جو جمیل کے کمرے میں آنے سے پہلے رضیہ اور عزیز کے درمیان ہو چکی تھی۔

جمیل بھی حیران تھا۔

اور رضیہ تو منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

بلکہ کئی بار اٹھ کر دوسرے کمرے میں بھاگی اور عزیز نے اسے مجبور کر کے بلایا۔

جب ریکارڈ ختم ہوا۔

تو عزیز نے جمیل سے پوچھا :

"کیوں جناب مل گیا ثبوت ؟ یہی مانگتے تھے نا آپ۔"

جمیل نے دیوانہ وار رضیہ کو گلے سے لگا لیا۔

اور بے اختیار چیخ اٹھا :

"میری نادان فلسفی — تو سچ مچ حور ہے۔ مجھے معاف کر دے۔"

اور پھر —

عزیز نے ایک بار پھر معافی مانگی۔

اور اسے بھی گلے سے لگا کر خوب خوب دل کا بخار نکالا۔

رضیہ نے تعجب سے پوچھا :

"بھائی یہ آپ نے کب ریکارڈ کیا ؟"

عزیز نے جواب دیا :

"جب آپ بول رہی تھیں۔"

رضیہ ہنس کر بولی :

"وہ تو معلوم ہے مگر مجھے تو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔"

جمیل بولا :

"جب میں نے تمھیں اس کمرے میں بلایا کہ ذرا طبیعت بحال ہو جائے گی باہر آ کر بیٹھیے اس سے پہلے یہ سب تیاری کر چکا تھا تا کہ سند رہے، اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔"

عزیز نے کہا :

"نہیں یار ! کام آنے کا تو گمان بھی نہ تھا — بس یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات آ گئی ورنہ مجھے تو خیال بھی نہ تھا کہ باتیں کیا ہوں گی۔"

رضیہ نے پوچھا :

"تو تم نے مجھے یہاں بلایا کیوں ؟"

عزیز نے جواب دیا :

"صرف یہ کہنے کو کہ جمیل رات کے واقعہ کو خواب سمجھ رہا ہے اسے خواب ہی کے گمان میں رہنے دو۔ بے کار شکر رنجی پیدا کر کے باہمی کشیدگی کیوں ہو اور جمیل کو عذاب میں گرفتار کر دیں"!

جمیل بولا:

"عزیز سچ مچ تم مسیحا ہو۔ فرشتہ ہو۔"

عزیز نے کہا:

"خدا نہ کرے۔ بس صرف انسان ہی رہنے دو۔ خدا ہر مسلمان کو انسان بنائے۔"

جمیل نے کہا:

"سچ ہے بھائی : ع

ہے فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہمیں انساں ہونا۔"

رضیہ: واقعی انسانیت ہی دنیا میں سب کچھ ہے۔

عزیز: بے شک آدمی کو خدا نے انسان بنایا۔ مگر یہی آدمی درندہ بھی ہے۔ شیطان بھی ہے۔ فرشتہ بھی ہے اور انسان بھی۔

رضیہ: اور عورت؟

عزیز: دنیا کی سب سے عجیب اور سب سے بڑی قوّت۔

رضیہ: بڑی قوّت۔ اسے تو آپ لوگ کمزور کہتے ہیں۔

عزیز: میں نے اسی لیے عجیب بھی کہا نا۔ یہ مرد کی کمزوری بھی ہے اور قوّت بھی۔ خود ضعیف و لطیف بھی ہے اور قوی بھی۔

رضیہ: یہ ساری اصطلاحیں مردوں کی اپنی بنائی ہوئی ہیں۔

جمیل: نہیں۔ مجھے عزیز سے اتفاق ہے۔ واقعی عورت عجیب ہستی ہے۔

عزیز : یقیناً — یہ چاہے تو دنیا کو جہنّم بنا سکتی ہے اور چاہے تو جنّت ۔

رضیہ : اوہو - باتوں میں خبر ہی نہ رہی اتنی رات ہوگئی - چلیے کھانا کھائیے ۔

عزیز : بڑی مبارک رات ہے یہ بہن !

جمیل : ہاں - اور کل کی رات تو قیامت تھی - خدا کی پناہ ! بھیانک ظلمات کی رات ۔

عزیز : تاریکی کے بعد ہی روشنی ہوتی ہے جمیل ! ظلمات ہی میں آبِ حیات ہے جو رات کی ظلمتوں کو ہمّت و استقلال سے جھیل جاتے ہیں انھیں کی صُبحیں روشن اور منوّر ہوتی ہیں - خوش نصیب ہے وہ انسان جو اندھیرے سے آخر کار اجالے میں آجائے !

٭

قیمتی کتابوں کا۔ کم قیمت سلسلہ

نہایت عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ پر شائع کی جا رہی ہیں
سرورق ایوری کارڈ کے سہ رنگا شاہکار سے مزیّن۔ ہر
کتاب کا ڈیزائن جداگانہ۔ پیپر بیک سیریز میں پیش خدمت ہیں:

	(ناول)	محمد یونس حسرت	صفحات ۴۳۲	-/۶ روپے
ممتاز محل	〃	محمد سعید	〃 ۳۷۶	-/۶ 〃
سپنے تیری یادوں کے	〃	شاہدہ سیف	〃 ۴۰۰	-/۶ 〃
وہ قربتیں یہ فاصلے	〃	رفعت زیبا	〃 ۳۵۰	-/۵ 〃
اپنے لہو کی آگ میں	〃	ہارون الرشید	〃 ۲۵۰	-/۴ 〃
دوست بنو دوست بناؤ	(نفسیات)	نسیم امروہوی	〃 ۲۵۰	-/۴ 〃
انگارے میرے لہو کے	(ناول)	محمد یونس حسرت	〃 ۴۳۲	-/۶ 〃
تارے میری پلکوں کے	(ناول)	〃	〃 ۴۳۲	-/۶ 〃
الحمیرا	〃	محمد سعید	〃 ۳۵۰	-/۵ 〃
بیرم خاں	〃	حسین انور	〃 ۴۱۶	-/۶ 〃
فاطمہ بنت محمدؐ	(سوانح)	رئیس احمد جعفری	〃 ۳۰۰	۴/۵۰ 〃
سگریٹ کیسے چھوڑیں؟	(نفسیات)	محمد عظیم	〃 ۱۲۰	-/۲ 〃
ایک کلی مسکائی	(ناول)	〃	〃 ۲۰۰	-/۳ 〃
ہر دلعزیزی	(نفسیات)	عابدی جعفر	〃 ۲۷۸	۴/۵۰ 〃

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ لاہور۔ حیدرآباد۔ کراچی

"شہزاد سیریز" اور "جرم وسزا"

ہمارے ملک کے مایہ ناز جاسوسی ناول نگار اثر نعمانی جنھوں نے بڑی جانفشانی سے یہ ناول تخلیق کیے۔ "شہزاد سیریز" کے ناولوں کی انتہائی مقبولیت کے بعد ایک اور "جرم وسزا سیریز" کے نام سے اثر نعمانی نے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔

شہزاد سیریز کے ناول

موت کا اندھیرا	۲/۵۰	سگریٹ کیس	۲/۵۰	عالمی سازش	۲/-
پراسرار ہیرا	۲/۵۰	خوفناک کتا	۲/۵۰	تین پانچ	۲/-
انوکھا تجربہ	۲/۵۰	شیطان کے چیلے	۲/۵۰	شریر طوطا	۲/-
سیاسی اُلّو	۲/۵۰	دوسرا چشمہ	۲/۵۰	پُراسرار مسافر	۲/-
خونی تصویر	۲/۵۰	لنگڑا قاتل	۲/۵۰	بے گناہ قاتل	۲/-
پانچ فائرنگ گولی	۲/۵۰	مس میاؤں	۲/۵۰	پورس کے ہاتھی	۲/-
بزدل مجرم	۲/۵۰	مکّار دشمن	۲/۵۰	آخری چال	۲/-
ایک چہرہ ۲ روپ	۲/۵۰	میگنا گن	۲/۵۰	تابوت کا راز	۲/-

"جرم وسزا سیریز" کے ناول

نیلے پھول	۲/-	کرائم رپورٹر	۲/-	ہیرے کے آنسو	۲/-
عجیب قاتل	۲/-	چور بازار	۲/-	زبانِ خنجر	۲/-

نئی سیریز ٭ نئے کردار ٭ نیا انداز ٭ نیا مزاج

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، حیدرآباد، کراچی

ادبی معاشرتی ناول

موبی ڈِک : ہرمن میلول - ترجمہ : محمد حسن عسکری - صفحات ۵۱۲
ایک مشہور وہیل مچھلی کے شکار پر ایک انمول داستان - قیمت : -/۲۰

ہمیں چراغ ہمیں پروانے : ہنری جیمز - ترجمہ : قرۃ العین حیدر صفحات ۶۰۰
ایک عظیم اور ناقابلِ فراموش داستان (دوسرا ایڈیشن) قیمت : -/۱۸

بلقیس : سیّد فیاض حسین ضخامت : ۴۹۲ صفحات
ناول کے روپ میں ہماری تہذیب، زندگی اور معاشرے کی مکمل تصویر -/۶

بیسوا کی بیٹی : سیّد فیاض حسین صفحات : ۴۵۶
حسن و عشق کی درد انگیز اور ولولہ خیز داستان قیمت : ۶/۵۰

یہ بیویاں یہ کلرک : اسرار اشفاق صفحات : ۱۷۶ سائز ½۵" × ۹"
معاشرے پر طنزیہ مضامین کا حسین مرقع قیمت : -/۶

اسی کا نام دنیا ہے : رئیس احمد جعفری صفحات : ۷۵۰
تجرباتِ عالم اور زندگی کے تناسب کا شاہکار قیمت : -/۲۵

چنگاری : رئیس احمد جعفری صفحات : ۴۹۶
ایک باوفا عاشق کی انمول کہانی قیمت : -/۱۰

ٹھوکر : رئیس احمد جعفری صفحات : ۴۶۰
ایک دلچسپ کہانی - ایک پری پیکر کی رومانی داستان قیمت : -/۱۰

دل : رئیس احمد جعفری صفحات : ۵۱۲

دو ٹوٹے ہوئے دلوں کی رومان انگیز کہانی قیمت : -/۱۰

درد : رئیس احمد جعفری صفحات : ۲۴۴

مرد کی سفاکانہ حرکات کی عبرت ناک داستان قیمت -/۵

عورت : رئیس احمد جعفری صفحات : ۳۵۲

عورت کی خودداری کی ایک عجیب وغریب کہانی قیمت : ۷/۵۰

ایک پہیلی : رشید اختر ندوی صفحات : ۳۲۰

ایک الھڑ دوشیزہ کی رقت آمیز داستان قیمت ۴/۵۰

شہلا : رئیس احمد جعفری صفحات : ۴۶۴

محبت کی ایک درد انگیز داستان اور ایک ناقابل فراموش نصیحت ۔ قیمت -/۱۵

اس نے محبت کی : رشید اختر ندوی صفحات : ۳۰۴

ایک عشقیہ کہانی جو درد انگیز بھی ہے اور سبق آموز بھی قیمت -/۶

کانٹوں کی سیج : رشید اختر ندوی صفحات : ۳۴۴

عورت اور اس کے جذبات کی حقیقی اور جیتی جاگتی تصویر قیمت : -/۶

یہ جہاں اور ہے : رشید اختر ندوی صفحات : ۳۶۸

نہایت ہی سنسنی خیز اور دلچسپ ناول قیمت ۷/۵۰

پولیانا : ایلیز ایچ پورٹر ۔ ترجمہ : فہمیدہ نیاز احمد ۔ صفحات ۳۳۶

ایک کمسن لڑکی کی اثر انگیز اور خیال افروز کہانی قیمت -/۷

انکار : عابدی جعفر صفحات : ۳۲۸

عشق ومحبت کی دلآویز اور رنگین داستان کا نفسیاتی تجزیہ قیمت -/۷

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز ۔ لاہور، حیدرآباد، کراچی